نغماتِ ماہر

از
ماہر القادری

ادارۂ اشاعت اردو حیدرآباد دکن

نغماتِ ماہر

شاعرِ حیات جناب ماہر القادری

کے

کلام کا دوسرا مجموعہ کلام

ناشر

ادارہ اشاعت اردو

عابد روڈ۔ حیدر آباد (دکن)

قیمت ———— تین روپیہ

جملہ حقوق بحقِ ادارۂ اشاعت اردو
محفوظ

طبع اول ۱۰۰۰ مارچ ۱۹۴۳ء

مطبوعہ

اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز حیدرآباد
(دکن)

عرضِ حال

کسی حکیم کا قول ہے۔ کہ شاعری جذبات کی تصویر ہے اور تصویر بھی وہ جو رنگ اور خط کی بجائے لفظوں میں کھنچی جاتی ہے۔ شاعری نغمات کی زبان میں سرائت کر جاتی ہے اور یہ لفظوں میں ایسی سچی تصویریں کھینچتا ہے جیسی مصور کا قلم نہیں کھینچ سکتا۔

اگر یہ حکیمانہ تعریف صحیح ہے تو جناب ماہر کی شاعری اس قول کے ثبوت کی سب سے بڑی شاہد ہے۔ یہی دنیا ہے جسے ہم بھی دیکھتے ہیں اور شاعر بھی۔ لیکن شاعر کی نظر اس میں کیا دیکھتی ہے۔ یہ نغمات ماہر میں دیکھئے۔ جہاں کیمرے کام نہیں کر سکتی ہیں۔ اس دنیا کی تصویر کھینچنا شاعر کا کام ہے۔ اور جناب ماہر اس میں کامیاب ترین شاعر ہیں۔

آج ہم ان کے کلام کا دوسرا مجموعہ ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔ ان کے پہلے مجموعہ محسوسات ماہر کا دوسرا ایڈیشن بھی ہم نے شائع کیا ہے۔ پہلا ایڈیشن اس طرح ختم ہوا کہ ہزاروں شایقین کو باوجود کوشش کے میسر نہ آسکا۔ اب اس مجموعہ کے ساتھ ماہر کے کلام کے دونوں مجموعے ایک ساتھ پیش کئے جا رہے ہیں۔ اور ہمیں امید ہے کہ شائقین کے لئے ایک ساتھ دونوں مجموعوں کا حاصل کرنا آسان ہو گا۔ طلب میں دیر ہو تو ہمارا قصور نہیں۔

محمد اقبال سلیم گاہندری

جملہ حقوق بحقِ ادارۂ اشاعت اردو
محفوظ

طبع اول ۱۰۰۰ مارچ ۱۹۲۳ء

مطبوعہ

اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز حیدرآباد
(دکن)

عرضِ حال

کسی حکیم کا قول ہے۔ کہ شاعری جذبات کی تصویر ہے اور تصویر بھی وہ جو رنگ اور خط کی بجائے لفظوں میں کھنچی جاتی ہے۔ شاعر کی نظر محسوسات کی رگوں میں سرائت کر جاتی ہے اور یہ لفظوں میں ایسی سچی تصویریں کھینچتا ہے جیسی مصور کا قلم نہیں کھینچ سکتا۔

اگر یہ حکیمانہ تعریف صحیح ہے تو جناب ماہر کی شاعری اس قول کے ثبوت کی سب سے بڑی شاہد ہے۔ یہی دنیا ہے جسے ہم بھی دیکھتے ہیں اور شاعر بھی۔ لیکن شاعر کی نظر اس میں کیا دیکھتی ہے۔ یہ نغمات ماہر میں دیکھئے۔ جہاں کرنیں کام نہیں کر سکتی ہیں۔ اس دنیا کی تصویر کھینچنا شاعر کا کام ہے۔ اور جناب ماہر اس میں کامیاب ترین شاعر ہیں۔

آج ہم ان کے کلام کا دوسرا مجموعہ ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔ ان کے پہلے مجموعہ محسوسات ماہر کا دوسرا ایڈیشن بھی ہم نے شائع کیا ہے۔ پہلا ایڈیشن اس طرح ختم ہوا کہ ہزاروں شایقین کو باوجود کوشش کے میسر نہ آسکا۔ اب اس مجموعہ کے ساتھ ماہر کے کلام کے دونوں مجموعے ایک ساتھ پیش کئے جا رہے ہیں۔ اور ہمیں امید ہے کہ شائقین کے لئے ایک ساتھ دونوں مجموعوں کا حاصل کرنا۔ آسان ہو گا۔ طلب میں دیر ہو تو ہمارا قصور نہیں۔

محمد اقبال سلیم گاہندری

فہرست

نمبر سلسلہ	عنوان	صفحہ	نمبر سلسلہ	عنوان	صفحہ	نمبر سلسلہ	عنوان	صفحہ
۱	دانش و ہنر کی بزم مشورت	۹	۱۹	یقین و عمل	۴۰	۳۷	شب بے خواب	۸۶
۲	دربار اقدس میں!	۱۶	۲۰	پھول اور انگارے	۴۲	۳۸	داستان محبت	۸۷
۳	حریت کاملہ کا مبلغ اعظم	۱۷	۲۱	اقبال	۵۲	۳۹	دکن کی برسات	۹۰
۴	نذر عقیدت	۲۰	۲۲	مرد مومن	۵۵	۴۰	وطن کی یادیں	۹۴
۵	مجاہدین اسلام۔ عمر فاروق	۲۱	۲۳	دعوت عمل	۵۶	۴۱	حدیث شب	۹۶
۶	خالد سیف اللہ	۲۲	۲۴	پیام	۵۸	۴۲	رنگین ضیافت	۹۹
۷	طارق	۲۳	۲۵	چیست ہستی؟	۵۹	۴۳	کوئے دوست	۱۰۲
۸	محمد بن قاسم	۲۴	۲۶	کمسن مزدور	۶۰	۴۴	جوان ہونے سے کچھ پہلے	۱۰۶
۹	محمود غزنوی	۲۵	۲۷	منگروجی سے خطاب	۶۵	۴۵	۹ سے!	۱۰۸
۱۰	صلاح الدین ایوبی	۲۶	۲۸	افکار جلیل	۶۷	۴۶	نیند کے مارے اک	
۱۱	ٹیپو سلطان	۲۶	۲۹	نوائے سروش	۶۸		دوشیزہ!	۱۰۹
۱۲	انور پاشا	۲۷	۳۰	صبح چمن	۶۹	۴۷	بغداد کے چمن میں ایک	
۱۳	سعد زاغلول	۲۸	۳۱	سرود نشاط	۷۱		شام	۱۱۱
۱۴	جمال الدین افغانی	۲۹	۳۲	جمنا کا کنارا	۷۳	۴۸	چلے گئے	۱۱۲
۱۵	محمد علی جوہر	۳۰	۳۳	شاعر	۷۵	۴۹	رنگین فسانہ	۱۱۳
۱۶	مسلمان سے!	۳۱	۳۴	یاد ہے!	۷۸	۵۰	اک حسینہ سے اس کی شادی	
۱۷	جذب دروں	۳۵	۳۵	آج کل	۸۱		کے بعد	۱۱۶
۱۸	مسلمان عالم	۳۸	۳۶	عورت	۸۳	۵۱	جستجو	۱۱۸

سوز ساز (غزلیں)

نمبر سلسلہ	عنوان	صفحہ
۵۲	رحمت کو اُن کی جوش میں لانے کی دیر ہے	۱۲۳
۵۳	کہدو کہ نفس کی بھی نہ نکلے کوئی آواز	۱۲۴
۵۴	وہ تیرے حال سے غافل دلِ ناشاد نہیں	۱۲۵
۵۵	درحقیقت انقلاب زندگی اعجاز ہے	۱۲۶
۵۶	تیرے سجدے میں ہم نے اپنی پیشانی جہاں رکھدی	۱۲۷
۵۷	میرے دل کی ہر اک رگ خونچکاں معلوم ہوتی ہے	۱۲۷
۵۸	شبِ وعدہ وہ اب تک آرہے ہیں	۱۲۸
۵۹	خوفِ غم آرزوے راحت ہے	۱۲۹
۶۰	دردِ الفت کو بہرصورت چھپانا چاہیئے	۱۳۱
۶۱	یورش ہے درد و غم کی دل داغ دار پر	۱۳۳
۶۲	کب ترا مجھ کو تصور سحر و شام نہ تھا	۱۳۳
۶۳	کتنا مصروف ضبط آہ میں ہے	۱۳۵
۶۴	نشاط و کیف کا عالم زمیں سے آسماں تک ہے	۱۳۵
۶۵	نظارے کے قابل اب جوش بادہ پرستی ہے	۱۳۶
۶۶	وہی کچھ دہر میں رازِ نظام دل سمجھتے ہیں	۱۳۷
۶۷	ہر نفس پیغام بربادی ہے انساں کے لیئے	۱۳۸
۶۸	سفاک نے بیداد کی پھر داد نہ چاہی	۱۳۹
۶۹	دیکھنا یہ کون بے پردہ نمایاں ہوگیا	۱۴۰

۷۰	ہم دردِ محبت کا فسانہ جو سنائیں	۱۴۱
۷۱	تجھے اک نظر دیکھنا چاہتا ہوں	۱۴۲
۷۲	نگاہ مست کو مصروفِ ناز رہنے دے	۱۴۳
۷۳	جو نظر کامیاب ہوتی ہے	۱۴۵
۷۴	وہ عربدہ جو معصوم ادا قاتل بھی ہے اور قاتل بھی نہیں	۱۴۶
۷۵	یہ کس کے دل کی کہانی سنائی جاتی ہے	۱۴۸
۷۶	ایک ایک گام پہ دنیا مجھے ٹھکراتی ہے	۱۴۹
۷۷	تخیل ہے پریشاں ناکام ہے ارادہ	۱۵۰
۷۸	اعتبار بندگی کو تا بکے رسوا کریں	۱۵۱
۷۹	بارہا تیری نوازش نے جسے تھام لیا	۱۵۳
۸۰	جس سے تیری آنکھ جا لڑی ہے	۱۵۴
۸۱	یہ کیا کہوں کہ لگی آگ آشیانے کو	۱۵۴
۸۲	ہر جا وہی سرگرم تجلی تو نہیں ہے	۱۵۵
۸۳	اپنی ہستی کا جو حاصل کہیں عرفاں ہو جائے	۱۵۷
۸۴	اصول کے فریب کیوں، ضوابط و قیود کیا	۱۵۸
۸۵	وہ آ رہا ہے کیف کی جنت لیے ہوئے	۱۵۹
۸۶	ہئیت حسن کو بدل چشم خیال میں بھی آ	۱۶۰
۸۷	نالہ ہم رنگِ تکلم میری آواز میں ہے	۱۶۱
۸۸	مستی نواز شوخیِ انداز کا ترانہ	۱۶۲
۸۹	وہ ہنس ہنس کے وعدے کئے جا رہے ہیں	۱۶۴
۹۰	ہر سر ہے تیری زلف کا سودا لیے ہوئے	۱۶۵

۹۱	فضا نشاط کی پھر دل کو راس آئی ہے	۱۶۷
۹۲	سفینہ میرا ساحل آشنا معلوم ہوتا ہے	۱۶۷
۹۳	اول اول سوز تھی پھر ساز بن کر رہ گئی	۱۶۹
۹۴	اُٹھ کے خواب گراں سے آئے ہیں	۱۷۰
۹۵	اگر فطرت کا ہر انداز بیباکانہ ہو جائے	۱۷۱
۹۶	اُن کی نگاہ مست سے مخمور ہو گئے	۱۷۲
۹۷	نظر ان کی خود ہی جھکی جا رہی ہے	۱۷۳
۹۸	آج تک یاد ہے وہ لذتِ آواز مجھے	۱۷۴
۹۹	ہوا اس تجلی سے وہ جلوہ آرا	۱۷۵
۱۰۰	جاں دادگانِ درد کو حیراں بنائیے	۱۷۶
۱۰۱	جانے کیا ظالم کی نظریں کہہ گئیں	۱۷۷
۱۰۲	تصور میں جو پھولوں کا سماں ہے	۱۷۸
۱۰۳	یاد جب ایام رفتہ کی کہانی آگئی	۱۷۹
۱۰۴	حسن کی خوابیدہ محفل کو جگا دیتا ہوں میں	۱۸۰
۱۰۵	عشق کی زندگی کو کیا کہئے	۱۸۲
۱۰۶	تیرے روشن تبسم کا جو افسانہ سنا دیتے	۱۸۳
۱۰۷	سچ یہ ہے عیش دو عالم کی بھی پروا نہ کریں	۱۸۴
۱۰۸	روح پر ایک کیف ہے طاری	۱۸۶
۱۰۹	موت کیا ہے ابتدائے دردِ دل	۱۸۶
۱۱۰	خاک کے کچھ منتشر ذروں کو انساں کر دیا	۱۸۷
۱۱۱	جب کوئی پھول مسکراتا ہے	۱۸۸

۱۱۲	فطرت پابند کو ہر قید سے آزاد کر	۱۸۹
۱۱۳	جلوے سے تیرے مُفر کہاں ہے	۱۸۹
۱۱۴	جب نظر محوِ راز ہوتی ہے	۱۹۰
۱۱۵	پرستارِ محبت کو خیال ماسوا کیوں ہو	۱۹۱
۱۱۶	اے کیفِ سجدہ ریزی کیا مجھ کو ہو گیا ہے	۱۹۲
۱۱۷	پردہ اُٹھ جائے اگر عشق کی زیبائی کا	۱۹۳
۱۱۸	تیرا اک تبسم ناز ہے کہ تجلیوں کا وفور ہے	۱۹۴
۱۱۹	ہجر میں بیمارِ غم سہنے کے قابل ہو گیا	۱۹۴
۱۲۰	ذوقِ جفا نے درد کو درماں بنا دیا	۱۹۵
۱۲۱	فرصت آگہی بھی دی لذت بیخودی بھی دی	۱۹۶
۱۲۲	اللہ رے حوصلہ نگہ بیقرار کا	۱۹۷
۱۲۳	میں یہ نہیں کہتا کہ محبت ہی خدا ہے	۱۹۸
۱۲۴	بیمارِ شب غم کی اللہ رے توانائی	۱۹۹
۱۲۵	زیست آزاد ہوئی جاتی ہے	۲۰۰
۱۲۶	وہ نظر اُٹھی جھجک کر رہ گئی	۲۰۱
۱۲۷	درِ بحرِ دہر فانی یابی نہ جز سرابے	۲۰۲
۱۲۸	پہلی نظر تھی دل کا مول	۲۰۴
۱۲۹	گیت	۲۰۵
۱۳۰	قطعات	۲۰۷

دانش وہنر کی بزمِ مشورت

مغنی:۔

جب یہاں کچھ بھی نہ تھا اُس وقت بھی موجود تھی
رُوحِ موسیقی جسے انجیل کہتی ہے کلامؔ[1]
شہپرِ جبریل کی پرواز میں نغمہ ہے بند
لوگ سمجھے ہی نہیں اب تک مُغنی کا مقام
وہ صدائیں آج بھی دیباچۂ اخلاق ہیں
جن سے نکلا "اشرق البدرُ علینا[2]" کا پیام

[1] مقدس انجیل کی پہلی آیت

[2] جب حضرت پیغمبرؐ اسلام ہجرت کرکے مدینہ پہنچے ہیں تو اہل مدینہ نے آپ کا پرجوش استقبال کیا معصوم لڑکیاں "اشرق البدرُ علینا۔ من ثنیاتِ الوداع" کا ترانہ گا رہی تھیں۔

دستِ ماضی میں ہے سازِ ابتدا و انتہا
کاش مڑ کر دیکھ سکتے رہروانِ تیز گام

دل میں جذب و سوز کا طوفان ہونا چاہیے
ساز کی گت پہ بھی ہو سکتی ہیں تیغیں بے نیام

"نَے" کو سُن کر "پیر رومیؒ" پردۂ محمل گرفت
بُو علی بیٹھا ہوا، سوچا کیا علمِ کلام

جو نہ آئے وجد میں دُولاب[1] کی آواز پر
ایسے کافر دل پہ ہے واللہ موسیقی حرام

صُورِ اسرافیل میں ہے زندگی بھی موت بھی
سازِ ہستی کے ہیں دو پردے تمام و ناتمام

مُصوّر

پیکرِ آدم بنایا کِس نے آب و خاک سے
میں یہ کہتا ہوں کہ قدرت خود ہے پہلا بت تراش

[1] کسانیکہ ایزد پرستی کنند ۔ بہ آوازِ دولاب مستی کنند۔

"احسنِ تقویم"[1] کے سانچے میں ڈھل کر آدمی
بن گیا قدسی صفت، شبنم فشان و برق پاش
پھول، کانٹے، بلبل و طاؤس، قمری، زاغ و چرغ[2]
یہ جہاں ہے خوب اور ناخوب تصویروں کا تاش
ڈال سکتی ہے مری صنعت گری ہر شے میں جان
شمع کا اشکِ چکیدہ ہو کہ پروانہ کی لاش
دم بخود ہیں سب مرے موئے قلم کے سامنے
خوشۂ انگور ہو یا سیبِ ایرانی کی قاش
یہ جہاں نقاشِ فطرت کا ہے وہ نقشِ عجیب
راز تھا جس کو کیا ذوقِ خود آرائی نے فاش
حُسن کی رنگینیوں سے سلب کرسکتا ہے روح
میری نازک اُنگلیوں کا اک ذرا سا ارتعاش

[1] لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (قرآن شریف)

[2] باز اور شکرے کی قسم کا ایک جانور، جسے عربی میں "صقر" کہتے ہیں۔

میں کہ نقاشِ ازل کا راز دارِ خاص ہوں
میرے رتبہ کو سمجھ سکتا کوئی دنیا میں کاش!

فلسفی:۔

میں نے غور و فکر سے کھولے ہیں وہ عقدے تمام
منحصر ہے جن پہ یہ دنیائے اسباب و علل
اُس جگہ ہے توسنِ تخییل میرا گرم رو
جس جگہ تقدیر کے بازو بھی ہو جاتے ہیں شل
مُجھ سے پوچھو کس طرح پیدا ہوئی ہے کائنات
بزمِ ہستی "جنبشِ اوّل"[1] کا ہے ردِ عمل
ایک نا معلوم قوت کی ہیں بزم آرائیاں
مہر و مہ کے آشیانے یہ ستاروں کے محل
آدمی کا تجربہ خود ہے فریبِ وہم و ہوش
کون کہہ سکتا ہے ہر قانونِ فطرت کو اٹل

[1]

عقلِ اوّلؔ، علت و معلول، جوہر اور عرض
چند لفظوں سے کیا میں نے مسائل کو ہے حل
کس قدر محکم ہے میری قوتِ نقد و نظر
زندگی تو زندگی ہے، کانپ جاتی ہے اجل
فلسفی ہی صرف بن سکتا ہے دنیا کا امام
ہے یہی منشا ابد کا، اور تقدیرِ ازل

شاعر

میرا اک شعر ہے نغمہ گر و نغمہ نواز
میں اگر چاہوں تو بج سکتے نہیں چنگ و رباب
وہ مصور جس کی دنیا پھول پتوں کے نقوش
وہ سمجھ سکتا نہیں بے تابیٔ روحِ گلاب
فلسفی اسباب کی ہے بحث میں اُلجھا ہوا
اُس کے ذہن و فکر کی منزل ہے دیوانہ کا خواب

لہ فلسفی کی بعض بنیادی اصطلاحیں۔

سینۂ گیتی کی دھڑکن مجھ کو دیتی ہے پیام
رُوحِ مستقبل کی لرزش مجھ سے کرتی ہے خطاب
نبضِ ہستی پر ہیں میری انگلیاں رکھی ہوئیں
گرمیٔ دِل سے مری قایم ہے دُنیا کا شباب
مجھ کو کرتے ہیں اشارے شعر کہنے کے لیے
ڈوبنے والے ستارے، ٹوٹنے والے حباب
کیا کہوں، کس سے کہوں، کیونکر کہوں اے ہم نشیں!
میری چشمِ شوق نے دیکھا ہے کس کو بے نقاب
سچ کہا ہے "شاعری جزویست از پیغمبری"
میری فطرت پر ہوئی نازل محبت کی کتاب

(فضا میں پُر جلال لرزش پیدا ہوئی)

غیبی آواز:-

کیا یہاں آئے ہو تم زور آزمائی کے لیے
خود فروشی، خود فریبی، خود ستائی کے لیے

شعر، نغمہ، فلسفہ اور صنعتِ صورت گری
صرف ہوتے ہیں جہاں میں خود نُمائی کے لئے
اس جہاں کے اہلِ دانش اور اربابِ ہُنر
جھوٹ کا پربت بنا دیتے ہیں رائی کے لئے
دانش و علم و ہنر کی سعیٔ پیہم کا مآل
یا بڑائی کے لیے ہے یا کمائی کے لئے
صرف تقویٰ ہے ترازو عظمتِ کردار کی
ہے یہی معیار انساں کی بڑائی کے لئے
آپ اپنے آرٹ کو تکلیف آرائش نہ دیں
ہم بہت کافی ہیں اس اپنی خدائی کے لئے
آدمی بارِ خداوندی اُٹھا سکتے نہیں
بُلبُلے ساکن سفینوں کو چلا سکتے نہیں

(مغنی، فلسفی، مصوّر اور شاعر بے اختیار سجدے میں گر پڑتے ہیں)

آواز سننے کے بعد:۔

ہوش سے جاتے رہے چلتی زبانیں رُک گئیں
آرٹ کی نازک جبینیں بہرِ سجدہ جھک گئیں

دربارِ اقدس میں!

اے کہ ترے کرم سے ہیں پست و بلند مستفید
اے کہ ترا وجود ہے وجہِ ظہورِ کائنات
کھول دئے اک آن میں تو نے حقیقتوں کے راز
ایک نظر میں توڑ دی تو نے حدِ تعیّنات
گردشِ چرخِ چنبری اُس کا نہ کچھ بھی کر سکی
تو نے بنگاہِ لطف سے بخش دیا جسے ثبات
اے کہ ترے ظہور نے دہر سے محو کر دئے
کفر کے سب تکلفات، شرک کے سب توہمات

صلّ علیک، یا نبیؐ روزِ ازل دیا گیا
تیرے اصول کو خلود، تیری حدیث کو ثبات
دہر کو جگمگا دیا، طُور کو گرد کر دیا
قُلّۂ بُو قبیس پر اُف رے تری تجلیات
عزم کا تیرے پرتوا، شانِ جلالِ حیدریؓ
صبر کا تیرے آئینہ غربتِ تشنۂؓ فرات
تیرے جلال کے حضور سطوتِ روم سجدہ ریز
تیرے قدم پہ جبہہ سا شان و شکوہِ سومنات
کب سے کرم کا منتظر ماہرِ نامُراد ہے
اس کی طرف بھی یا نبیؐ گوشۂ چشمِ التفات

حرّیتِ کاملہ کا مبلغِ اعظمؐ

ذلیل جذبات کی فضا میں ضمیر خوابیدہ ہو چکا تھا
دماغِ انساں کا ہر تخیّل ہوس کی ظلمت میں گھر گیا تھا

بیاضِ اخلاق منتشر تھی، نظامِ بزمِ حیات برہم
غریب تھے ذلتِ سراپا، امیر تھے نخوتِ مجسم
جفا کے بادل گھرے ہوئے تھے، گھٹا غلامی کی چھا رہی تھی
ستم کی بجلی تڑپ تڑپ کر وفا کا خرمن جلا رہی تھی
تباہیوں کا تھا اک مرقع، غلام قوموں کا حال بدتر
رگوں میں نشتر، چھری گلے پر، ضمیر بے تاب، روح مضطر
غریب پامال ہو رہے تھے جفا کے ہاتھوں کچھ اس طرح سے
کہ جیسے چٹکی میں کوئی لے کر گلاب کے پھول کو مسل دے
یہ ہم نے مانا ستم رسیدوں کی تھیں بہت دردناک چیخیں
مگر غرض تھی کسے جو سنتا حریمِ عشرت کے قہقہوں میں
پلٹ چکا تھا نظامِ عالم، بدل چکی تھی فضائے دنیا
جہانِ ہستی کا ذرہ ذرہ، طلسم اک نسل و رنگ کا تھا
غلام و آقا کے درمیاں تھی خلیجِ عجز و غرور حایل
اِدھر جبینِ عاجزی سراپا، اُدھر نظر میں غرورِ باطل

یہ دیکھ کر گرمیٔ معاصی خدا کی غیرت کو جوش آیا
اُمنڈ اُٹھے رحمتوں کے چشمے، اُبل پڑے حریت کے دریا
فضا غلامی کی کانپ اُٹھی، اک انقلاب آگیا جہاں میں
امارتوں کی بلندیوں نے جھکا ہی دیں خاک پر جبینیں
جھکی اُخوت کے آستاں پر مداین و نینوا کی سطوت
اُتر گیا چشم خود سری سے خمارِ صہبائے قیصریت
گزر گیا حُریت کا طوفاں، غرور و نخوت کی چوٹیوں سے
اُبھر کے پہنچیں بلندیوں پر غلام اقوام پستیوں سے
حبیبؐ حق کے نثار جاؤں بدل دیا یوں نظام دنیا
کھڑے کیے ایک صف میں لاکر امیر و مُفلس غلام و آقا
اِدھر علیؓ کے قریں اُسامہؓ ابو ہریرہؓ کے پاس عثمانؓ
ادھر عمرؓ اور بلالِ حبشیؓ، جناب بوبکرؓ اور سلمانؓ
طلسم جبر و ستم کے توڑے مٹادیئے نقش ذلتوں کے
بتا دیا راز زندگی کا، سکھا دیئے گُر ترقیوں کے

ہوئی مساوات کی وہ بارش کہ بھر دیئے جس نے دشت و صحرا
پہاڑ کے ہو گیا مقابل جہاں کا اک اک حقیر تنکا
بدل گئیں نغمۂ طرب سے ستم رسیدوں کی آہ و شیون
کیے گئے عرصۂ جہاں میں اصولِ جمہوریّت[1] مدون
سلام اے حرّیت کے داعی، سلام اے رحمتِ مجسّم
سلام اے مرکزِ اُخوت، سلام اے رحمت دو عالم

نذرِ عقیدت

نبیؐ دوسرے پیشوا بن کے آئے — محمدؐ مگر مصطفٰے بن کے آئے
کہیں قاب قوسین کا راز کھولا — کہیں معنئ ہل اَتیٰ بن کے آئے
کبھی عرش کے کنگروں کو سنوارا — کبھی شمعِ غارِ حرا بن کے آئے
کہیں "لی مع اللہ" کا ساز چھیڑا — کہیں "شرحِ قالو بلیٰ" بن کے آئے
کبھی محفلِ ابتدا کو سجایا — کبھی نقطۂ انتہا بن کے آئے

[1] قرآنی حکومت

وہ مکہ کی سختی وہ طایف کا منظر | محمدؐ خدا کی رضا بن کے آئے
امیروں کو رازِ اُخوت بتایا | غریبوں کی حاجت روا بن کے آئے
کہیں عفو و رحمت کے جلوے دکھائے | کہیں وہ نبرد آزما بن کے آئے
نجاشیؓ بھی خادم ابو ذرؓ بھی خادم | وہ سُلطانِ شاہ و گدا بن کے آئے
کہیں بدر و خندق میں فوجیں لڑائیں | کہیں صُلح کا سلسلہ بن کے آئے
کبھی دشت میں بکریوں کو چرایا | کبھی دہر کے پیشوا بن کے آئے
زمانہ کی سوکھی ہوئی کھیتیوں پر | گھٹا بن کے برسے ہوا بن کے آئے

اُنہی کی محبت ہے ایمانِ ماہرؔ
جو کونین کا مدعا بن کے آئے

مُجاہدینِ اسلام

عُمر فاروقؓ :-

تیرے در پر جبہہ سا رُوم و مداین کا شکوہ
تیری ٹھوکر پر نچھاور قیصر و کسریٰ کے تاج

اللہ اللہ! تو نے ٹوٹے بوریئے پر بیٹھ کر
سرکشوں سے نذر لی اور بادشاہوں سے خراج
کفر و بدعت کی ترے آتے ہی نبضیں چھٹ گئیں
تیری دانائی نے پہچانا زمانہ کا مزاج
تیری سطوت کا یہ عالم ہے کہ تیرے نام سے
کُفر کے دل میں ہوا کرتا ہے اب بھی اختلاج
اُٹھ کہ پھر انصاف کی گردن تہہِ شمشیر ہے
آکہ پھر سارے زمانہ کو ہے تیری احتیاج

خالدؓ سیف اللہ:-

تو نے اسلامی حمیت کا دیا رنگیں ثبوت
خُون کے بہتے ہوئے دریا میں گھوڑا ڈال کر
تو نے تنہا کُفر کی فوجوں میں ہل چل ڈال دی
تیرا جوشِ عزم تھا بیگانۂ خوف و خطر

کفر کی شہ رگ سے تھمتا ہی نہیں اب تک لہو
اللہ اللہ! تیری تیغِ حق پرستی کا اثر
تیرے دل کے حوصلے ناخوردۂ زخمِ شکست
تو جہاں پہنچا وہیں موجود تھی فتح و ظفر
آج بھی افسانۂ یرموک کی تازہ ہے یاد
سر کٹا دیتے ہیں اب بھی لوگ حق کے نام پر

طارقؒ :-

تیری بے باکی سے ہے تاریخ کو عظمت نصیب
تیری جرأت پر زمانہ آج تک کرتا ہے ناز
توڑ ڈالا تو نے پیرانِ کلیسا کا طلسم
تیرے آگے سر بسجدہ تھا صلیبوں کا فراز
اے تعال اللہ! ترے سازِ شجاعت کی صدا
جس نے قلبِ سنگ میں بھی کر دیا پیدا گداز

تیری پیشانی میں روشن شمعِ ایماں دیکھ کر
جُھک گئے قدموں پہ تیرے راہبانِ پاکباز
آج بھی اُندلس کا ہر ذرہ ہے تیرا منتظر
دیکھتے ہیں اب بھی تیرا راستہ اہلِ نیاز

محمد بن قاسمؒ:-

کمسنی کے بھیس میں مردانگی چھائی ہوئی
ہاتھ میں تلوار، ہونٹوں پر ہنسی آئی ہوئی
سندھ کے ظلمت کدے میں نُورافشاں ہے کوئی
ابر کے دامن میں جیسے برق لہرائی ہوئی
کس نے دی للکار کر اللہ اکبر کی صدا
کفر کی آواز ہے کیوں آج تھرّائی ہوئی
شرک نے قدرے تامل سے نوایا[1] سیس کو
شرک کی دیوی جُھکی چرنوں[2] میں شرمائی ہوئی

[1] سر جھکایا [2] قدموں میں

"آمد آں یارے کہ من می خواستم". بولی زمیں

اس ادا سے ہند میں تشریف فرمائی ہوئی

محمود غزنویؒ:-

جس طرف ڈالو نظر اغیار ہی اغیار ہیں

لشکرِ اعدا ہے یا برسات کی تاریک رات

"دُور ہے غزنیں مگر جنت کی منزل ہے قریب"

تھا یہ حملہ یا کہ پیاسوں کے لیے آبِ حیات

اُس طرف تھے نظمِ لشکر کے نگہباں سیکڑوں

اِس طرف تھی فوجِ اسلامی کی قاید ایک ذات

غازیوں نے بدر کا افسانہ تازہ کر دیا

آ گئے لغزش میں فوجِ کفر کے پائے ثبات

کعبہ والوں نے جو یُورش کی بہ آئینِ جہاد

ایک ہی حملہ میں غارت تھا شکوہِ سومنات

صلاح الدین ایوبیؒ

تو نے آبِ تیغ کے اُن کو دیے بھر بھر کے جام
وقف جن کی زندگی تھی دورِ صہبا کے لئے

تو نے بتلایا[1] کہ رُک سکتی نہیں آوازِ حق
پست ہے ساحل کی رفعت جوشِ دریا کے لئے

تو نے سمجھایا عمل سے ربط ہے اسلام کو
ہے زمانہ صرف عزمِ کار فرما کے لئے

دل میں گرمی ہو تو ہر ذرہ جہانِ شوق ہے
ورنہ یاں کچھ بھی نہیں چشمِ تماشا کے لئے

تو نے توڑا تھا اقالیمِ ثلاثہ کا طلسم
تو سراپا قہر تھا بزمِ کلیسا کے لئے

ٹیپو شہیدؒ

آخری ہچکی نے دی اللہ اکبر کی صدا
نزع کے لمحات میں بھی تو نے کی باطل سے جنگ

[1] میں اسے متروک نہیں سمجھتا۔ ماہر

تو نے کی تجدید پیمانِ شہیدِ کربلاؒ

تو نے فرمایا حفاظت جان کی ہے عذرِ لنگ

جان دی اور کس قدر مسرور ہو کر جان دی

موت تھی تیرے لئے گویا نگارِ شوخ و شنگ

تیغ کی جھنکار پر کرتی تھی تیری روح وجد

تیرے گوش و قلب تھے نا آشنائے عود و چنگ

وہ تو یہ کہئے کہ ....

مٹ گیا تھا ورنہ ....

انورؒ پاشا۔

برف کو آتش بنا سکتی ہے جس کی ایک بوند

وہ شرابِ تند ساقی تیرے پیمانے میں ہے

تو نے سمجھایا کہ رازِ لطفِ عیشِ سرمدی

درحقیقت زندگی کی موت مرجانے میں ہے

زندگی کا لُطف ایماں کی حفاظت کے لئے
جنگ کے میداں میں ہے مقتل کے ویرانے میں ہے
اُس حقیقت سے بنا میرے بھی دل کو آشنا
جو حقیقت کار فرما تیرے افسانے میں ہے
کاش وہ ساعت بھی آئے ہر مُسلماں کہہ سکے
"جو ترے شیشہ میں ہے وہ میرے پیمانے میں ہے"

سعدِ زاغلول :۔

تیرے جوشِ عزم کے قربان میرے جان و دِل
آبِ گنگا کی طرف بھی ایک موجِ رودِ نیل
تو نے مغرب کی سیاست کو کیا بے آبرو
تیرے آگے ہیچ تھیں باطل کی بُرہان و دلیل
ہو گئیں تیرے ارادے کے اثر سے پاش پاش
جبر کی جامد چٹانیں، ظلم کی محکم فصیل

عظمتِ قومی کا روشن آئینہ تیرا خیال
رُوحِ آزادی کے پیکر تیرے افکارِ جلیل
تو نے بتلایا اطاعت کفر ہے نمرود کی
آگ کو گلشن بنا سکتا ہے ایمانِ خلیلؑ

جمال الدینؒ افغانی

وحدتِ قومی کے او فاضل مبلّغ تیرے پاس
رفعتِ دریا بھی ہے، خود داریٔ ساحل بھی ہے
اے تعال اللہ! تیری زندگی کا آئینہ
جس میں ماضی کی جھلک اور نورِ مُستقبل بھی ہے
وہ ترا روشن تدبّر وہ ترا حُسنِ خلوص
تو بہ یک ساعت مُفکّر بھی ہے اہلِ دل بھی ہے
تو نے سمجھایا کہ یہ دُنیا یہ فانی روزگار
گلشنِ جنت بھی ہے زندانِ آب و گِل بھی ہے

کاروانِ ہند کو بھی اب ضرورت ہے تری
جو تھکا ماندہ بھی ہے آوارۂ منزل بھی ہے

محمد علی جوہرؒ:-

تیری ہر تحریر میں سوزِ جگر کی گرمیاں
تو نے ہر تقریر میں دل کا لہو ٹپکا دیا
جس فسانے میں ہے عشقِ بوذرؓ و سلمانؓ کا ذکر
تو نے اُس افسانۂ دلچسپ کو دُہرا دیا
قید خانہ کی فضا میں تو نے کڑیاں جھیل کر
رُوحِ استبداد کو گھبرا دیا، تھرا دیا
برف کی سِل آگ بن سکتی ہے جس کے سوز سے
تو نے افسردہ دلوں کو کس قدر گرما دیا
جس جگہ آسُودہ ہیں اجسادِ پاکِ انبیاؑ
اُس فضائے قدس میں حق نے تجھے پہنچا دیا

مسلمان سے!

اے مسلماں! اے شہنشاہِ دو عالم کے غلام
نام تیرا صفحۂ ہستی پہ اک نقشِ دوام
یہ تیری شانِ عبادت یہ ترا ذوقِ نماز
بارک اللہ! اے رضا جوئے خدائے بے نیاز
تیری پیشانی کے ہر خط سے عیاں نقشِ سجوُد
ہاتھ میں تسبیح لرزاں اور ہونٹوں پر درود
ذات سے تیری شریعت کو زمانہ میں ثبات
تجھ سے قائم ہیں جہاں میں روزہ و حج و زکوٰۃ
دیکھ اتنے نور پر بھی کس قدر ظلمت میں ہے
اُن کی سیرت پر نظر کر جن کی تو اُمت میں ہے
غایتِ دیں کو سمجھ قرآن کی آیات دیکھ
غور سے تاریخ پڑھ اور منظرِ غزوات دیکھ

حجرۂ نبویؐ میں آ اور درسِ جمہوری[1] بھی دیکھ

غزوۂ خندق میں اُن کی شانِ مزدوری بھی دیکھ

سجدۂ حق کے لیے شانِ جبیں سائی بھی دیکھ

بدر کے میداں میں اُن کی رزم آرائی بھی دیکھ

باطل و حق کا اُحد میں حشرزا منظر بھی دیکھ

چہرۂ پرنور کو اُن کے لہو میں تر بھی دیکھ

کفر اور اسلام کی طائف میں آویزش بھی دیکھ

پتھروں کی ان کے جسمِ پاک پر بارش بھی دیکھ

اُن کے بستر کا ذرا کلفت فزا عالم بھی دیکھ

حضرتِ فاروقؓ کی پھر اُس پہ چشمِ نم بھی دیکھ

مسجدِ نبویؐ میں آ انبارِ مال و زر بھی دیکھ

اور پھر جا، مادرِ حسنینؓ کی چادر بھی دیکھ

کھُل گیا کیا تجھ پہ رازِ اتباعِ مصطفٰےؐ

اب تو سمجھا تو کہ تیرا فرض ہے دنیا میں کیا

[1] قرآنی سیاست

لا میں کچھ توضیح کر دوں اور اِن اسرار کی
آ بتا دوں تجھ کو رازِ عظمتِ دینِ نبیؐ

کفر ہے مذہب میں تیرے عشرتِ دُنیائے دوں
وقف ہونا چاہیے حق کے لیے مُسلم کا خوں

پھول ہے واللہ جبر و ظلم کا اک اک شرار
موت کیا ہے زندگی کا ایک جامِ خوشگوار

تجھ کو ہر باطل کی قوت سے اُلجھنا چاہیے
موت کے کانٹوں کو فرشِ گُل سمجھنا چاہیے

دردِ محکومی بنا دیتا ہے ایماں کو ضعیف
حُرّیت سے ہے عبارت عظمتِ دینِ حنیف

ہر پرستارِ خدا آزاد ہے آزاد ہے
حُرّیت اسلام کی بنیاد ہے بنیاد ہے

گرم بازاری جہاں میں پھر ہے استبداد کی
پھر گلے پر چل رہی ہے آدمیت کے چھُری

پھر دبانا چاہتا ہے حق کو باطل کا شکوہ
پھر مُسلّط ہو گیا دُنیا پہ شیطانی گروہ
دیکھ لگ جائے نہ بٹہ دینِ حق کے نام کو
سر بکف آ پھر ضرورت ہے تری اسلام کو
خانقاہوں کے سکونِ راحت افزا سے گزر
یعنی پھر لبیک کہہ تلوار کی جھنکار پر
خاکِ آزادی سے محکومی کے دریا پاٹ دے
یعنی تو نخلِ غلامی کی جڑوں کو کاٹ دے
پھر جھکا دے حق کے دروازے پہ ہر باطل کا سر
پھر حُنین و بدر کے منظر جہاں میں پیش کر
پھر مٹا دے کُفر کی بُنیاد، مرحب کو پچھاڑ
پھر دکھا ایمان کی قوت، درِ خیبر اُکھاڑ
پھر ملا دے خاک میں شانِ غرورِ کافری
کفر کی دُنیا پہ چھا بن کر جلالِ حیدری

دِل تو کیا باطل کی تھرا دے جہاں میں روح تک
کُفر کے میداں میں تیغِ غزنوی بن کر چمک

ہے شکستِ جورِ دنیا کے لیئے اک بہتری
امن کی تعمیر ہے تخریب استبداد کی

پھر زمانہ مُنتظر ہے امن کے پیغام کا
پھر تحفظ کر خدا را عظمتِ اسلام کا

جذبِ دروں

مرا جذبِ دروں ہے اب بھی محرومِ پذیرائی
ابھی ٹوٹا نہیں شاید طلسمِ وصل و تنہائی

میں آنکھیں بند اگر کر لوں جہاں تاریک ہو جائے
مرے حُسنِ نظر سے ہے ترے جلووں کی رعنائی

مُجسم عشق بن یا بے نیازِ آرزو ہو جا
جہانِ عاشقی میں یوسفی کر یا زلیخائی

مرے انفاس کی گرمی سے روشن ہیں زمانہ میں
چراغِ دیر، فانوسِ حرم، شمعِ کلیسائی
مری ہستی کے ظاہر پر نہ جائیں دیکھنے والے!
میں قطرہ ہوں مگر دریا سے رکھتا ہوں شناسائی
اسی اِک کشمکش پر ہے مدارِ عالمِ ہستی
اِدھر ٹوٹا حُباب اور اُس طرف اک موج اُبھر آئی
ابھی ذوقِ نظر کا اور ہے اک مرحلہ باقی
ابھی رقصاں فرازِ طور پر ہے برقِ سینائی
اُسی نقطہ سے جذبِ عشق کا آغاز ہوتا ہے
جہاں پر ختم ہو جائے حدِ ادراک و دانائی
شگفتِ لالہ و گل موج ہے میرے تبسم کی
مرے دم سے عنادل کی چمن میں نغمہ پیرائی
زمانہ میں کہیں صبر و سکوں بھی ہاتھ آتا ہے
بس اپنا رخ بدل دیتا ہے دردِ ناشکیبائی

محبت مصلحت اندیشیوں سے پاک ہوتی ہے
دلیلِ خام کاری ہے خیالِ فکر و رُسوائی

قلندر کی نظر کا عالمِ پرواز کیا کہنا
کبھی سُورج سے اُلجھی اور کبھی تاروں سے ٹکرائی

یہی آئینِ فطرت ہے یہی قانونِ قدرت ہے
کہ موجِ آب سے ہے برق کے شعلوں کی پیدائی

تجھے منظور کیا ہے اے مرے اندازِ استغنا
گلیمِ بوذریؓ یا خلعتِ کسریٰ و دارائی

اسی غارت گری پر کیا زمانہ ناز کرتا ہے
صبا گلشن میں جا کر پھول سے خوشبو اُڑا لائی

وہ فکر و ذہن کی اک سعیِ ناشکور ہے ماہرؔ
نہ ہو جس شعر میں جذبِ یقیں کی کار فرمائی

مسلمانِ عالم

مشعلِ راہِ ہدایت، وارثِ علمِ نبیؐ
اِس جہاں سے اُس جہاں تک روشنی ہی روشنی
گمرہوں کے واسطے اللہ کی روشن دلیل
حاملِ ناموسِ وحدت، صاحبِ عزمِ خلیل
جس کی سیرت سطوتِ فاروقؓ و فقرِ بوترابؓ
حق و باطل کی کسوٹی جس کی چشمِ انتخاب
جس کی بزمِ دل کی رونق سوزِ صدیقؓ و بلالؓ
مصلحت اندیشیوں سے پاک ہے جس کا خیال
زینتِ محراب و منبر گرمیٔ بدر و حُنین
بوذرؓ و سلمانؓ کا ایمان جراَتِ قلبِ حسینؓ
احمدِ حنبلؒ کی حق گوئی کی دنیا میں نظیر
فکرِ حمادؒ و غزالیؒ بوحنیفہؒ کا ضمیر

جس کا دل پاتا ہے مشکوٰۃِ نبوت سے فروغ

جذب کر سکتا نہیں جس کو سیاست کا دروغ

حاملِ قرآں، حدیثِ مصطفےٰ کا رازداں

منزلِ علم و ہدایت کا امیرِ کارواں

جس کے ایماں کی نظر میں ہے بس اک مشتِ غبار

ابنِ رُشد و بُوعلی سینا کی عقلِ خام کار

جس کی ایمانی فراست کے ہیں اک ادنیٰ غلام

منطق و فنِ معانی، فلسفہ، علمِ کلام

جو مُفسر ہے جہاں میں دین کے احکام کا

جو مبلّغ ہے خدا کے آخری پیغام کا

جس کی ٹھوکر پر نچھاور افسری و سروری

سر سے پا تک اتباعِ سنّتِ پیغمبری

جس کی دُنیا صرف قال اللہ اور قال الرسول

جو بنا سکتا ہے ظلم و جہل کے کانٹوں کو پھوُل

بے نیازِ جاہ و منصب صاحبِ ملکِ یقین
جس کو سونے کی چمک ہموار کر سکتی نہیں
جو ہے مُستغنی عنایاتِ وزیر و شاہ سے
جس کی اُمیدیں ہیں وابستہ فقط اللہ سے
قیصر و کسریٰ بھی جس کا سر جُھکا سکتے نہیں
انقلاباتِ جہاں جس کو ڈرا سکتے نہیں
دہر کا آقا، غلامِ رحمۃ للعٰلمینؐ
پیکرِ خلق و مروت، واقفِ اسرارِ دیں
موت آنے پر بھی وہ مردِ نکو مرتا نہیں
بانٹتا ہے علم کو سوداگری کرتا نہیں

یقین و عمل

یقیں کا نام ہے قلب و نظر کی آگاہی — یقین پردۂ اسرار چاک کرتا ہے
بغیر جذبِ یقیں ہے تمام گمراہی — وہ فلسفہ ہو کہ علمِ کلام یا منطق

اُسی کے واسطے گردش میں ہیں یہ افلاک
وہ فقر جس سے لرزنے لگے شہنشاہی

یہ دل ازل سے جری ہے پر اس کو کیا کیجے
سکھا دیئے ہیں خرد نے طریقِ روباہی

مجھے پسند نہیں ہے یہ مسلکِ تقدیر
اسی کا نام ہے فکر و عمل کی کوتاہی

یہ مجھ سے سن مری رُوداد اس میں شامل ہے
فغانِ نیم شبی، نالۂ سحر گاہی

فرنگ جلوہ دگر داد رسمِ آذر را
حذر ز اہلِ سیاست اگر خدا خواہی

جہاں کو ایسے مجاہد کی پھر ضرورت ہے
کہ جس نے چھاؤں میں تیغوں کے لی ہو انگڑائی

وہ فقر جس نے مداین سے تاج چھین لیا
اُسی کو ڈھونڈھ رہا ہے شکوہِ دارائی

یہ کیا کہا کہ غلامی میں سخت ہوں مجبور
یہ تیرا عذر ہے نا قابلِ پذیرائی

پناہ مانگ رہا ہوں میں اُس تمدن سے
متاع جس کی ہو رُخسار و لب کی رعنائی

محبّت ایک حقیقت ہے جس کی دُنیا میں
نہ فکرِ سود و زیاں ہے نہ خوفِ رُسوائی
میں اُس نگاہ کو پہچان ہی گیا سرِ حشر
ازل کے روز کی کام آ گئی شناسائی

بہ ہر نگاہ نمایم ترا رُخِ فردا
اگر ز خانۂ امروزِ خود برُوں آئی

پھُول اور انگارے

امیر کا مکان:-

ریشمیں پردے دروں کی بیل پر ہلتے ہوئے
مخملی قالین کیا ہیں پھُول ہیں کھلتے ہوئے
شربتی فانوس، رنگیں جھاڑ، بجلی کے کنول
روشنی اتنی کہ جیسے دُھوپ آئی ہے نکل

جگمگاتے قمقمے ہیں کہکشاں در کہکشاں
قدِ آدم آئینوں میں کوندتی ہیں بجلیاں
خوشنما گلدان، رنگیں جام، چاندی کے گلاس
کی گئی ہے صرف آرایش پہ دولت بے قیاس
نقرئی صوفوں کے گُل بوٹے ہیں فردوسِ نظر
دعوتِ نظارہ دیتے ہیں مُطلّا بام و در
مرمریں میزوں پہ گلدستے قطار اندر قطار
کس قرینے سے ہیں آویزاں مُرقعے زرنگار
رنگ و روغن سے ہیں دیواروں کے سینے جلوہ گر
اس مکاں کو عیش منزل کہیئے یا آرام گھر
نرم بستر کی مسہری، خوش نما الماریاں
دہرِ فانی میں سدا رہنے کی ہیں تیاریاں
سُرخ پردوں میں ٹکی ہیں موتیوں کی جھالریں
رات کو دن کر رہی ہیں قمقموں کی تابشیں

SOFA ؎

غرشیاں رکھی ہوئی ہیں اور سگرٹ کیس بھی
اک نرالی شان ہے اپنی جگہ ہر چیز کی
چاندنی پر ایک سلوٹ بھی نظر آتی نہیں
اِس مکاں کا فرش ہے یا چاند تاروں کی زمیں
جھلملاتے ہیں سنہری عطر دانوں کے غلاف
قابلِ نظارہ ہیں مرمر کی جالی کے شگاف
گا رہی ہے گیت سے بجلی کے پنکھوں کی ہوا
پھُول کے گجروں سے کس درجہ مُعطر ہے فضا
مغربی تہذیب بھی ہے، مشرقی انداز بھی
تمکنت بھی، سادگی بھی، سوز بھی ہے ساز بھی
دیدنی ہیں نوکروں کی جگمگاتی وردیاں
کِس تکلّف سے چمکتی ہیں سنہری پیٹیاں
کِس قرینہ سے صف آرا ہیں کمربستہ غلام
اللہ اللہ! اس مکاں کا طمطراق و اہتمام

دست بستہ سر جھکائے ایستادہ ہیں ندیم
یعنی وہ وابستگانِ دامنِ فیضِ عمیم
جن کی فطرت زر پرستی، جن کی دنیا "جی حضور"
جن کے سایہ سے بھی رہنا چاہیے انسان کو دُور
جن کی باتوں کی گھلاوٹ، جن کے ہونٹوں کی ہنسی
سحر کارانہ بناوٹ، ایک جھوٹی زندگی
جو بنا سکتے ہیں اک انسان کو پروردگار
جن کی روزی کا جہاں میں چاپلوسی پر مدار
جمع ہیں کچھ بندگانِ زر پرست و بے ضمیر
جمگھٹے میں اُن کے بیٹھا ہے امیر ابنِ امیر
انتہائی پر تکلّف اور معطّر ہے لباس
کس قدر اسبابِ آرایش ہے اُس کے آس پاس
گڑگڑی چاندی کی ہونٹوں میں دبی ہے ناز سے
مخملی صوفے پر بیٹھا ہے عجب انداز سے

جس کے نتھنوں سے نکلتے ہیں تکبّر کے شرار
جس کے تیور اُس کی فطرت کے ہیں خود آئینہ دار
جس کے ماتھے کی شکن سے کپکپا جاتے ہیں لوگ
جس کی محفل میں بڑی تعظیم سے آتے ہیں لوگ
جس کو لوگوں نے دیا ہے "ان داتا" کا خطاب
جس کی باتوں پر نہیں ہوتی مجالِ احتساب
جس سے کر سکتا نہیں کوئی سرِ مو اختلاف
جس کی آنکھوں پر چڑھائے ہیں خوشامد نے غلاف
بند ہیں جس کے خزانے بدنصیبوں کے لیئے
ٹھوکریں ملتی ہیں جس کے یاں غریبوں کے لیئے

غریب کا گھر:-

مُونج کی رسی یہاں بانسوں پہ ہے لپٹی ہوئی
پست دیواروں پہ اک بودی سی چھت رکھی ہوئی

فرش ناہموار، بوسیدہ ہیں چھپر کے ستوں
شرم آتی ہے اسے میں کس زباں سے گھر کہوں
طاق میں رکھا ہوا ہے ٹمٹماتا سا چراغ
اس مکاں کی ہے فضا نا واقفِ عیش و فراغ
بکریوں کے پاس ہی بچھی ہوئی ہے ایک کھاٹ
جس کے سرہانے رکھا ہے ایک بوسیدہ سا ٹاٹ
چند برتن، چھاج، چھلنی اور لوہے کی پرات
بس یہی لے دے کے اس گھر کی ہے ساری کائنات
بیچ کے کوٹھے کی کھونٹی پر ٹنگی ہے ڈوبچی
ہر طرف چھائی ہوئی ہے مُفلسی ہی مُفلسی
ایک کونے میں رکھا ہے پھاوڑا، کُھرپا کدال
جا بجا بکھرا ہوا ہے پُھونس سینکیں اور پیال
چند مٹی کے سکورے، چند پانی کے گھڑے
صحن میں ٹوٹی ہوئی اینٹوں پہ ہیں رکھے ہوئے

اک پھٹی دوہر ذرا اُجلی سی آتی ہے نظر
ورنہ سچ یہ ہے دھوئیں میں پچ گیا ہے گھر کا گھر
ایک مٹی کا گھڑا رکھا ہے چُولھے کے قریب
اِس مکاں کے رہنے والوں کا جسے کہئے نصیب
راکھ پر اوندھی پڑی ہے ایک پھوٹی سی چلم
ذرہ ذرہ پر یہاں کے یہ عبارت ہے رقم
ایں سیہ خانہ شعاعِ نیرِ عشرت نہ دید
کس دریں آبادیِٔ ویراں گُلِ راحت نہ چید
ایک بوڑھا آدمی بیٹھا ہوا ہے کھاٹ پر
ہاتھ میں رسی کے ٹکڑے بکریوں پر ہے نظر
وائے محرومی! کہ ہے کُل کائنات اس کی یہی
ایک میلا سا انگوچھا، ایک پھٹی سی مرزئی
جھریاں چہرے پہ پنڈلی کی نسیں اُبھری ہوئیں
زرد چہرہ، جسم لاغر، ہڈیاں نکلی ہوئیں

ڈالتا ہے گھر کے ساماں پر نگاہیں بار بار
سوچتا ہے کس طرح نپٹے گا بنیے کا اُدھار
بیاہنے کے واسطے بیٹھی ہیں گھر میں بیٹیاں
جن کی قِسمت میں لکھا ہے چھاج چُولھا سختیاں
رہ گئی ہے گھُٹ کے سینوں میں جوانی کی امنگ
جن کی اُمیدوں پہ یہ دنیائے آب و گِل ہے تنگ
بُجھ چکا ہے خود بخود جن کی مسرّت کا چراغ
رنج و کلفت کے اثر سے جن کے دل میں داغ داغ
غم کے ہاتھوں جن کا اس دنیا میں رہنا پاپ ہے
یہ اُنہی معصوم کنواری لڑکیوں کا باپ ہے
جو بہاتا ہے پسینہ چلچلاتی دُھوپ میں
موت جس پر ہنس رہی ہے زندگی کے رُوپ میں
اس بڑھاپے میں بھی جس کو چین مل سکتا نہیں
جس کی دنیا کھیت، تھوڑا سا نمک، نانِ جویں

یہ تمدن جس کو ٹھکراتا ہے اک اک گام پر
بھیک بھی ملتی نہیں جس کو خدا کے نام پر

خدائے ذوالجلال سے :-

اے خداوندِ کہہ و مہ اے خدائے ذوالجلال
اہلِ دولت کر رہے ہیں مفلسوں کو پائمال
چھا رہا ہے دہر پر سرمایہ داری کا غرور
اس جہاں میں رہ نہیں سکتا کوئی مردِ غیور
زندگی فریاد و ماتم ہے غریبوں کے لیئے
یہ تری دُنیا جہنم ہے غریبوں کے لیئے
تیرے بندے آج بھی پامال ہیں برباد ہیں
اِس جہاں میں سیکڑوں نمرود اور شداد ہیں
اہلِ دولت یعنی وہ نادار بندوں کے خدا
بندھ رہی ہے دہر میں جن کے تکبّر کی ہوا

ہو گئے ہیں سخت پتھر سے سوا جن کے ضمیر
جو سمجھتے ہیں غریبوں زیر دستوں کو حقیر

جن کے مذہب میں کسی پر رحم کھانا ہے گناہ
مسکرا دیتے ہیں جو سن کر غریبوں کی کراہ

جن کے در پہ جبہ سا ہوتے ہیں نادار ضعیف
جن کی نخوت بن گئی تیری خدائی کی حریف

جوش میں آئے گی آخر کب تری شانِ جلال
تابکے یہ بے نیازی اور اظہارِ جمال

راس آئی ہے یہ دُنیا دولتِ بے سود کو
ڈھیل دی جائے گی کب تک طاقتِ نمرود کو

ابرِ رحمت میں رہے گی تابکے برقِ عتاب
نخوتِ دولت کو کب دے گی تری غیرت جواب

تیرا دریائے غضب ہوتا نہیں مواج کیوں
پرچمِ سرمایہ داری کیا نہ ہوگا سرنگوں

تجھ کو کہتا ہے زمانہ مال داروں کا خدا
ہے تلاطم میں تری انمٹ خدائی کی فضا
لوگ کہتے ہیں خدا اب دخل دے سکتا نہیں
سرکشوں کے ظلم سے بدلہ بھی لے سکتا نہیں
قہر کے پرشور طوفاں کس لیئے آتے نہیں
میرے مولا! مجھ سے یہ طعنے سنے جاتے نہیں

اقبالؒ

دلوں کی وادیوں میں پھول برساتا ہوا آیا
حجازی "لے" میں نغمہ ہند کا گاتا ہوا آیا
کہا لبیک اُس کے شعر پر کلیوں نے ہنس ہنس کر
نسیمِ صبح کی مانند اٹھلاتا ہوا آیا
شگفتِ لالہ و گُل اُس کی فطرت کا تھا آئینہ
وہ بوئے گُل سے ہر وادی کو مہکاتا ہوا آیا

وہ شاعر جس کے نطقِ شعر کا احساں ہے اردو پر
ادب کی زلفِ ژولیدہ کو سلجھاتا ہوا آیا
جو باتیں رہ گئیں تھیں فکرِ عطارؒ و سنائیؒ سے
اُنہی باتوں کی وہ تکمیل فرماتا ہوا آیا
شرابِ ساقیٔ رومیؒ سے بدمستِ خودی ہوکر
فضائے ہند پر اک کیف برساتا ہوا آیا
نظر آزاد، دل بے باک، فکر و ذہن بے پایاں
خودی کا پرچمِ رنگین لہراتا ہوا آیا
ہوا نازل زمینِ ہند پر "بانگِ درا" بن کر
وہ آیا اور ہر سوتے کو چونکاتا ہوا آیا
قلندر کی زباں میں اُس نے دی تعلیمِ آزادی
مجاہد کی طرح تلوار چمکاتا ہوا آیا
خرد کی مصلحت اندیشیوں کو اُس نے ٹھکرایا
جنونِ عشق کے اسرار سمجھاتا ہوا آیا

کہا اُس نے امیری بے فقیری ہو نہیں سکتی
وہ جبر و ظلم کی طاقت کو ٹھکراتا ہوا آیا
"خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے"
وہ ان اسرار کو شعروں میں سمجھاتا ہوا آیا
کہا اُس نے مسلماں موت سے ڈرتا نہیں ہرگز
فسانہ حضرتِ ٹیپوؒ کا دُہراتا ہوا آیا
کلیمی ضرب کی تاثیر تھی اُس کے تکلّم میں
وہ ہر فرعون کی قوّت سے ٹکراتا ہوا آیا
وہ شاعر، مردِ خود آگاہ تہذیب فرنگی کو
حجازی تیغ کا آئینہ دکھلاتا ہوا آیا
جبیں میں اُس کی رخشاں تھا جلالِ شان فاروقیؓ
غلامی کی فضا میں گرچہ شرماتا ہوا آیا
وہ آتش جس کے سینہ میں ہے گرمی سوز بوذرؓ کی
اُسی سے دل کی خاکستر کو گرماتا ہوا آیا

دیا تھا جو پیامِ زندگی نُطق محمدؐ نے
اُسی پیغام کو اقبال دہراتا ہوا آیا

مردِ مومن

کھُل جاتی ہے اک آن میں مومن کی نظر سے
تدبیر کی گُتھی ہو کہ تقدیر کی پیچاک
ہر سانس کی آواز ہے اک نعرۂ تکبیر
تلوار کا جوہر ہے مُسلمان کا ادراک
اُس آگ کے شعلے دلِ مُسلم میں ہیں غلطاں
وہ آگ جو بجلی بھی ہے اور موجۂ نمناک
لاتا نہیں خاطر میں یہ طوفان کی شورش
اللہ نے بخشی ہے اُسے جرأتِ بے باک
مُسلم کی ترقی میں ہے فطرت کا توازن
برسات میں جیسے کوئی دانا ہو تہہِ خاک

مومن کی فقط جوہرِ فطرت پہ نظر ہے
رنگینیٔ لالہ ہو کہ بے رنگیٔ خاشاک

یہ چاہے تو ذروں کو ستاروں سے ملا دے
اک کھیل ہے مومن کے لیئے گردشِ افلاک

اس حال میں بھی قیصر و کسریٰ پہ ہے بھاری
ٹوٹی ہوئی تلوار، پریشان، قبا چاک

کونین پہ ہے مردِ مسلماں کی حکومت
ہے بندۂ اللہ غلامِ شہِ لولاک

دعوتِ عمل

یہ دشت و کوہ یہ محراب و در ہیں بے حاصل
نگاہِ شوق اُلجھتی ہے آسمانوں سے

بھنور کی زد سے نکل جائیں تو کرامت ہے
وہ کشتیاں کہ جو قایم ہیں بادبانوں سے

حدیثِ عشق ہے، جذبِ کمال وکیفِ تمام
کہ جو ادا نہیں ہوتی کبھی زبانوں سے

ہے اُس کے جوہرِ ذاتی میں زندگی غلطاں
وہ آبگینہ جو ٹکرا گیا چٹانوں سے

خرد پہ کس لیئے حاصل جنوں کو ہے ترجیح
یہ بھید پُوچھ محبّت کے نکتہ دانوں سے

وہ تیر سینۂ چقماق کو بھی برما دیں
نکل گئے جو لچکتی ہوئی کمانوں سے

یہ بجلیاں ہیں ترے گھر کے واسطے صیاد
نکل رہے ہیں شرارے جو آشیانوں سے

وہ کیا کسی کو دکھائے گا راستہ حق کا
اُمیدِ خیر ہو جس کو نگارخانوں سے

محبّت اور ہوس میں ہے بُعد ارض و سما
یہ بھید چھپ نہ سکے کاش نوجوانوں سے

پیام

وہ تیغ ہے در اصل مسلماں کی وراثت

جو تیغ کہ اقوام کی تقدیر بدل دے

تو رزم کا خوگر ہے تجھے بزم سے کیا کام

تہذیب کے ہر پھُول کو چٹکی سے مسل دے

پھر نانِ جویں مایل خیبر شکنی ہے

اے کاش! خدا پھر تجھے توفیق عمل دے

کب تک خس و خاشاک کی الجھن میں رہے گا

طوفاں ہے تو الوند کی چوٹی سے گزر جا

دُنیا تجھے مرنے کی بھی مہلت نہیں دے گی

ناموس محمدؐ پہ جو مرنا ہے تو مر جا

چیست ہستی؟

("محسوساتِ ماہر" میں اس نظم (مردِ مومن) کے صرف چار شعر شایع ہوئے تھے)

چیست ہستی؟ اضطراب و انقلاب — بوئے گُل، برقِ تپاں و موجِ آب

بوئے گُل خود را پریشاں می کند — ہر فضا را عطر افشاں می کند

برق در ظُلمت فشاند نور را — رہ نماید رہروِ مجبور را

موج را مرگ است یک لحظہ قرار — زندگیِ موجِ پیہم انتشار

بوئے گل شو، برق شو، یا موج شو — بعد ازیں در منزلِ ہستی برو

زندگی را از عمل آراستند — جام چُوں از موجِ مے پیراستند

گوشۂ صبر و قناعت را مگیر — ہمچو راہب کنج خلوت را مگیر

از عمل شمعِ تمنا بر فروز — تا شود شبہائے تو مانندِ روز

مردِ مومن مالکِ خشک و تر است — مردِ مومن نائبِ پیغمبر است

مردِ مومن در عمل چُوں موجِ آب — فطرتِ بے تابِ اُو بوئے گلاب

مردِ مومن شعلۂ جوالہ ایست — در کتابِ اُو سکوں را نام نیست

مردِ مومن را محمد ابتدا است

مردِ مومن را محمد انتہا ست

کمسن مزدور

سر کی ٹوپی دھجیاں کرتہ کا دامن تار تار
اک پھٹا بورا بغل میں اور چہرے پر غبار
بال بے ترتیب، ننگے پاؤں اور ناخن دراز
محنتوں سے ہو گیا ہے سخت شانوں کا گداز
جا بجا سے ہے شکستہ میلی دھوتی کی کور
سُن رہا ہے ہر قدم پر خونچے والوں کا شور
چال میں افتادگی سی گنگناہٹ مضمحل
کتنا دُھندلا ہو گیا ہے گرد سے ٹھوڑی کا تل
اک جلی بیڑی کا ٹکڑا کان پر رکھا ہوا
جا رہا ہے موٹروں کی بھیڑ سے بچتا ہوا

سختیوں سے پھول سے رخسار کمھلائے ہوئے

کمسنی میں دل پہ غم کی چوٹ سی کھائے ہوئے

دُکھ کی بپتا کہہ رہی ہیں بھیگنے والی مسیں

فرطِ محنت سے اُبھر آئی ہیں پنڈلی کی نسیں

اس کے رخساروں نے کی ہے دھوپ کی شدت سے جنگ

کتنا پھیکا پڑ گیا ہے پھول سے چہرے کا رنگ

یہ زمانہ اور یہ محنت کی شدت ہائے! ہائے!

ایک نازک دل پہ اور بارِ مصیبت ہائے! ہائے!

رُوح افسردہ، جگر مجروح، اور سینہ فگار

نوجوانی کی تمناؤں کا اک زندہ مزار

موٹروں میں، بگھیوں میں اہلِ دولت ہیں رواں

کھا رہا ہے سیکڑوں بل جن کی سگرٹ کا دھواں

جا رہا ہے دیکھتا ہر سو نمائش کا سماں

شیروانی، کوٹ، مفلر، پائے تابے، دستیاں

عینکیں آنکھوں میں اور ہاتھوں میں چھڑیاں خوشنما
کبر کے پتلے اکڑتے پھر رہے ہیں جا بجا
قیمتی گھڑیوں کو دیکھا جا رہا ہے بار بار
دستیاں جیبوں میں ہیں ہونٹوں میں انگریزی سگار
ایک دنیا ہے کہ دولت کے نشہ میں چور ہے
سخت مشکل میں ہمارا نوجواں مزدور ہے
چند بچّے کھیلتے ہیں ایک دوکاں کے قریب
روضۂ جنّت کے غلماں، خوش جمال و خوش نصیب
ناز کے پالے ہوئے بیگانۂ اندوہ و یاس
مُسکراتے ہونٹ، آنکھیں سرمگیں، اُجلے لباس
رُک گیا مزدور اُس جا گرچہ دل میں تھی جھجک
کھیلتے بچّوں کو وہ دیکھا کیا، کچھ دیر تک
شوخیاں دیکھا کیا، خوش فعلیاں دیکھا کیا
کمسنی کی بے نیازی کا سماں دیکھا کیا

تھی ابھی مزدور کی مصروفِ نظارہ نگاہ
ناگہاں کچھ سوچ کر اُس نے بھری اک سرد آہ
تلملا اُٹھا نگاہوں میں اندھیرا چھا گیا
اپنے بوڑھے باپ کا فاقہ اُسے یاد آگیا
اپنے بورے کو سنبھالا اور وہاں سے چل دیا
کھیلتے بچّوں پہ مُڑ مُڑ کر نگاہیں ڈالتا
ایک چوراہے پہ پہنچا، دل شکستہ دل فگار
بٹ رہے تھے جس جگہ اک سینما کے اشتہار
تھی وہاں لوگوں کے مجمع کی بہت ہی ریل پیل
کہہ رہے تھے سینما والے نیا آیا ہے کھیل
ہاتھ اُس نے بھی بڑھا کر لے لیا اک اشتہار
جس پہ تھی منقوش تصویرِ عروسِ زر نگار
پہلے دیکھا خود کو، پھر تصویر پر ڈالی نظر
ہوک سی اٹھی جگر میں ہو گئیں پلکیں بھی تر

مفلسی کا دھیان آنا تھا کہ کاغذ چھوٹ پڑا
کمسنی کی بے نیازی کو پسینہ آگیا
آسماں کی سمت دیکھا اور ٹھنڈی آہ کی
شام ہونے کو تھی خالی ہاتھ گھر کی راہ لی

ہوشیار! اے اہل دولت آرہا ہے انقلاب
جس کے آگے عظمتِ اہرام ہے موجِ سراب
اطلس و دیبا کے پردے چاک ہو جانے کو ہیں
کرسیاں، گلدان، صوفے خاک ہو جانے کو ہیں
کھل گئے دنیا پہ اسرارِ طلسم سامری
کام دے سکتی نہیں الفاظ کی جادو گری
شاہد و مے، رقص، نغمے، بوئے گل، طرف چمن
جگمگاتے ہوٹلوں میں اختلاطِ مرد و زن
عیش و راحت کے یہ ساماں، خواہشوں کے اہتمام
کر رہے ہیں آخری، دنیا کو جھک کر سلام

اہلِ دولت کی نہ اب مزدور لاتیں کھائیں گے
خونِ دہقاں سے نہ تختے گل کے سینچے جائیں گے

ساری دنیا ظلم سے آزاد ہو جانے کو ہے
جنتِ شداد اب برباد ہو جانے کو ہے
اب کسی کے سامنے مزدور جھک سکتا نہیں
آنے والا انقلاب آ کے گا رک سکتا نہیں

منکرِ وحی سے خطاب

صفاتِ حق کو صفاتِ بشر سے کیا نسبت
زلالِ سادہ کو آبِ گہر سے کیا نسبت
نبیؑ کو شہد کی مکھی کا ہمنوا نہ سمجھ
سوادِ شام کو نورِ سحر سے کیا نسبت
فضائے قدس پر اس دہر کا قیاس نہ کر
حریمِ عرش کو محراب و در سے کیا نسبت
اگرچہ بادِ بہاری کا فیض یکساں ہے
گیاہِ خشک کو گل ہائے تر سے کیا نسبت

تو دیکھتا ہے ہر اک شے کو مادہ بن کر
تری نگاہ کو میری نظر سے کیا نسبت

فضائے دشت کو رنگِ چمن سے کیا نسبت
ذلیل خس کو گلِ یاسمن سے کیا نسبت
بغیر نطق بھی ممکن ہے گفتگو و پیام
کلامِ حق کو زبان و دہن سے کیا نسبت
جس انجمن میں چراغِ یقیں فروزاں ہے
ترے خیال کو اُس انجمن سے کیا نسبت

حدیثِ دین کو بازیچۂ ادب نہ بنا
کلامِ حق کو دلی جوش کا سبب نہ بنا
دلیل و عقل سے افکار کے صنم نہ تراش
ہوائے نفس کی لذّت کو اپنا رب نہ بنا
ادب کی آڑ میں دے کر پیامِ گمراہی
تمام دہر کو بوجہل و بولہب نہ بنا

تری خرد نے یقیناً فریب کھایا ہے
کلامِ حق کو کلامِ بشر سمجھتا ہے
ترے ضمیر کو لذّت نہیں یقیں کی نصیب
نگاہِ غیر سے قرآں کو تو نے دیکھا ہے
سکونِ قلب کا "ایمان غیب" پر ہے مدار
کلام و فلسفہ! یہ سب خرد کا دھوکا ہے
محمّد عربی کی پیمبری کی قسم
تجھے خبر ہی نہیں ہے پیمبری کیا ہے

افکارِ جلیل

ترے حُسن نے دیئے ہیں وہ پیامِ غائبانہ
کہ یقین بن گیا ہے مرادِ ذوق کا فرانہ
ہے اُسی کی جستجو میں یہ کشاکشِ زمانہ
وہی فقرِ مردِ مومن کہ ہے سرمدی خزانہ
ابھی دشتِ کربلا میں ہے بلند یہ ترانہ
یہی زندگی حقیقت یہی زندگی فسانہ
مری آنکھ ڈھونڈتی ہے نگہ قلندرانہ
کہ ضمیرِ اہلِ دانش ہے عیّارِ تاجرانہ

مجھے کیا خبر کہ تو نے کبھی میکشی بھی کی تھی — تری آنکھ میں نہیں ہے اثرِ مے شبانہ
وہ فقیہہِ کور باطن ہے عدوئے دین و ملت — کسی خوفِ دُنیوی سے جو تراش دے بہانہ
ترا کام تن کی پُوجا، مرا کام من کی سیوا — مُجھے جستجو یقیں کی تجھے فکرِ آب و دانہ
مرے شوقِ مضطرب سے ہے رواں نظامِ ہستی — جو ٹھہر گئی محبت تو ٹھہر گیا زمانہ
مُجھے سایۂ ہُما کی نہ تلاش ہے نہ ہوگی — کہ ہُما کی زندگی میں ہے نیاز راہبانہ
ترا خار و خس پہ تکیہ، مرا عشق پہ بھروسا — مجھے برق سے محبت، تجھے خوفِ آشیانہ

مرے جذبِ دل کو ماہر کوئی کیا سمجھ سکے گا
مری شاعری کی حد سے ابھی دُور ہے زمانہ

نوائے سروش

صُوفی کی ہے معراج بس اک نعرۂ یاہو — اور مردِ مُجاہد کی زباں قوتِ بازو
رحمت کا تصوّر ہے بہت خوب مگر دوست! — اللہ کے انصاف کی محکم ہے ترازو
جب تک نہ گلستاں میں ہوں پھولوں کے جگر چاک — اربابِ چمن رہتے ہیں بیگانۂ خوشبو
محکومی و درماندگی ہے سب سے بڑا شرک — اس نکتۂ توحید سے آگاہ نہیں تو

محکوم کی فردوس نقوشِ پرِ طاؤس
آزاد کی دنیا ہے مسلسل رمِ آہو

افسوس کہ تو بھول گیا اپنی حقیقت
تلوار کا پانی ہے ترے درد کی دارو

او بندۂ خواہش! یہ کوئی زیست نہیں ہے
جذبات پہ قدرت نہ تمناؤں پہ قابو

منجدھار میں ڈوبی ہے سدا ظلم کی کشتی
اک قہر کا طوفان ہے مظلوم کا آنسو

کالج کی فضا کو کہیں مسموم نہ کر دے
زیبائیٔ رخسار یہ آرایشِ گیسو

جس آنکھ میں قرآن کے انوار ہوں غلطاں
اُس آنکھ پہ چلتا نہیں تہذیب کا جادو

صُبحِ چمن

وہ جاڑے کی رُت اور صبحِ چمن
روپہلی فضا میں سنہری کرن

وہ کہرے کی چادر بہت ہی مہین
دھندلکا مگر بے نہایت حسین

اُجالے میں کہرا نکھرتا ہوا
سحر کا تبسم بکھرتا ہوا

اندھیرا چھٹا دھوپ چڑھنے لگی
حرارت بتدریج بڑھنے لگی

ہوا ڈالیوں سے جو ٹکرا گئی
کلی کے لبوں پر ہنسی آ گئی

ابھرنے لگے پھول کے خط و خال   نکھرنے لگا گلستاں کا جمال
چٹک کر جو غنچوں نے آواز دی   گلوں کی مہک نے بھی انگڑائی لی
ہوائیں چلیں گیت گاتی ہوئیں   بہکتی ہوئیں لڑکھڑاتی ہوئیں
وہ سبزے کی بدمست انگڑائیاں   مچلتی ہوئیں سبزہ پر چھائیاں
ہواؤں میں اڑتی ہوئیں تتلیاں   پلک مارتے میں یہاں سے وہاں
پرندوں کے نغمے وہ بھونروں کے گیت   تخیل کی ہر گام پر ہار جیت
کہیں بلبلوں کے ترانوں کا رنگ   کہیں فاختاؤں کے نغموں کی جنگ
روپہلی روپہلی چنبیلی کے پھول   محبت کے جس طرح سادہ اصول
گلوں کے کٹورے چھلکتے ہوئے   گہرہائے شبنم ڈھلکتے ہوئے
گلستاں کی زینت مہکتے گلاب   کہ جیسے عروسِ نوی کا شباب
دمکتے کنول، مسکراتے کنول   ہر اک پھول اک مطلع برمحل
درختوں کے پتے ہیں یا مورچھل   ہر اک شاخ حافظ کی رنگیں غزل
لہکتی ہوئی عشق پیچاں کی بیل   کہ جنگل میں جیسے ہرن کی کلیل
وہ جنت جو ملٹن سے کھوئی گئی   یہاں ہر کلی میں سموئی گئی

نظر پھول کو چوم کر رہ گئی
فضائے چمن جھوم کر رہ گئی

سُرودِ نشاط

گھٹا بھی چھائی ہے فصلِ بہار ہے ساقی
اب اس کے بعد تجھے اختیار ہے ساقی
تجھے بھی یاد وہ قول و قرار ہے ساقی
کہ میری پیاس ابھی تک اُدھار ہے ساقی
ترے گلے میں جو پھولوں کا ہار ہے ساقی
یہی تو حاصلِ فصلِ بہار ہے ساقی
شرابِ ناب سے اتنا مزاج ہے مانوس
کہ بوئے گُل بھی مجھے ناگوار ہے ساقی
یہ جلترنگ کے نغمے یہ ساغروں کی کھنک
زمانہ تیرے لیے سازگار ہے ساقی

تری نگاہ کی مستی ارے معاذ اللہ
اُس ایک جام کا اب تک خُمار ہے ساقی

ادھر سے تو بھی کوئی جام آتشیں چھلکا
گھٹا کی چھاؤں سرِ کوہسار ہے ساقی

شکستِ جام کی آواز کو سمجھ کر سُن
مرے دُکھے ہوئے دل کی پُکار ہے ساقی

یہ اُودی اُودی گھٹائیں یہ سرمئی بادل
اب انتظار بہت ناگوار ہے ساقی

تری نگاہ کی شوخی کا پڑ گیا سایہ
یہ موجِ مے جو بہت بے قرار ہے ساقی

ترے کرم سے زمانہ کا رنگ ہے کچھ اور
کہ محتسب بھی مرا رازدار ہے ساقی

ادھر بھی بادۂ گلرنگ کا کوئی چھینٹا
نیاز مند بھی امیدوار ہے ساقی

پلائے جا کہ نہ معلوم کل ہو کیا صورت
کہ زیست چشمکِ برق و شرار ہے ساقی

پڑا بھی رہنے دے ٹوٹے ہوئے پیالوں کو
ترے عتاب کی اک یادگار ہے ساقی

میں دوسروں کی طرح بدگمان نہیں تجھ سے
ترے کہے کا مجھے اعتبار ہے ساقی

رکھی ہے کل کے لیے میکشوں نے بھر کے شراب
اسی کا نام غمِ روزگار ہے ساقی

نگاہِ لطف و کرم بد نصیب ماؔہر پر
بہت دنوں سے غریب الدیار ہے ساقی

جمنا کا کنارا

(دبستِ ناتراشیدہ)

ساون کی گھٹا اور وہ جمنا کا کنارا وہ منظرِ دلچسپ وہ رنگین نظارا

جامن کے درختوں سے جو کچھ آگے بڑھے ہیں — آئی نظر آتی ہوئی اک شوخ دل آرا
اللہ رے! اٹھلائی ہوئی چال کی شوخی — رک جائے جسے دیکھ کے بہتا ہوا دھارا
نکھرے ہوئے ماتھے پہ وہ رنگین سا قشقہ — جس طرح گھٹاؤں میں دمکتا ہوا تارا
قشقہ پہ وہ چاندی کا چمکتا ہوا جھومر — جس طرح کہ انگارے پہ ٹھہرا ہوا پارا
لہریں جو قریب آئیں تو دامن کو سنبھالا — اک ہاتھ سے نقشین سی گاگر کو اتارا
پہلے تو ہر اک شے کو بڑے غور سے دیکھا — پھر جھک کے بڑے ناز سے ہاتھوں کو نکھارا
پیروں کے کڑوں کو کبھی بچھوؤں کو گھمایا — گاگر کو اجالا، کبھی بالوں کو سنوارا
انداز سے بھیگے ہوئے آنچل کو نچوڑا — پانی اسے بھرنا تھا تو ہاتھوں کو پسارا
پانی سے چھلکتی ہوئی گاگر کو اٹھایا — لیتے ہوئے معصوم اداؤں کا سہارا
آتا مجھے دیکھا تو وہ جھجکی کبھی ٹھٹکی — شاید مرا آنا نہ ہوا اس کو گوارا
دیکھا نہ گیا حسن کی مجبوری کا عالم — میں اس سے یہ کہتا ہوا بستی کو سدھارا
اے بتکدۂ ہند کے بے ترشے ہوئے بت — بخشم بہ نگاہِ تو سمرقند و بخارا

یک بار بہ ایں ناز بیا بر لبِ جمنا
یک فرصتِ نظارہ بدہ باز خدا را

شاعر

مرے تبسمِ تخئیل سے عبارت ہے
ضیائے نیّرِ رخشاں فروغ ماہِ تمام
مرے خیال کی جنبش پہ رقص کرتی ہے
ادائے خاص سے سلمائے گردشِ ایام
مری نگاہ میں ہے لف و نشر ہر ذرہ
مرے خیال میں کونین صنعتِ ایہام
مرے نقوش ہیں آثارِ نیم ربانی
مرے کمال کو بخشی گئی حیاتِ دوام
بطرزِ مُطربِ بدمست پھوٹتی کونپل
سنا رہی ہے مجُھے نغمۂ درود و سلام
مرا پیام ہے روح القدس کی اک آواز
مرے ضمیر پہ ہوتی ہے بارش الہام

کبھی نگاہ میں موجوں کے نرم ہلکورے
کبھی خیال میں جذبِ توازنِ اجرام

کبھی وہ جوش کہ دشمن بھی آنکھ کا تارا
کبھی یہ حال کہ بیگانۂ ذوی الارحام

کبھی حیات کو ٹکرا دیا چٹانوں سے
کبھی حباب سے کمزور زندگی کا نظام

کبھی یقین کی زد میں رموزِ لوح و قلم
کبھی وہ شک کہ ہر اک چیز پیکرِ اوہام

کبھی خیال کی زینت حرم کی محرابیں
کبھی نگاہِ شہیدِ تبسمِ اصنام

اک انقلابِ مکمل کا پیش خیمہ ہے
مرے خیال و تصور کا مضمحل اقدام

وہ کیف بار ہے میرے خیال کی دنیا
جہاں تصورِ زہد و ورع گناہ و حرام

جہاں شراب کی موجوں پہ رقص کرتے ہیں

بہ حُسنِ نازو ادا شاہدانِ گُل اندام

جہاں ہے جنبشِ ساغر اشارۂ غیبی

جہاں ہے قلقلِ مینا ضمیر کا پیغام

جہاں کا مسلکِ عالی ہے رندی و مستی

جہاں کا ضابطہ اشعارِ حافظ و خیام

جہاں طواف کا مرکز ہے خشتِ میخانہ

جہاں ہے غرقِ مے ناب جامۂ احرام

جہاں طرب کے فسانے سنائے جاتے ہیں

حدیثِ مُطرب و ساغر جہاں کا علمِ کلام

جہاں شراب سے تطہیرِ روح ہوتی ہے

جہاں ہے پیرِ مغاں کی نوازش و اکرام

جہاں کی صُبح پہ صدقے سحر بنارس کی

جہاں کی شام پہ قُربان ہے اودھ کی شام

"

مرے خیالِ جہاں گیر کے ہیں چند نقوش

فسانۂ چۂ بابِل قدامتِ اہرام

وہ فلسفہ کہ جو تہذیبِ عقل کرتا ہے

مری نگاہ میں اک ہیئتِ جنونِ خام

لطیف تر ورقِ گل سے ہے مرا احساس

مرے لیئے ہے تبسم کلی کا اک پیغام

مرے فسانۂ رنگیں کا یہ خلاصہ ہے

کہ ہوں میں اہلِ محبت کا بندۂ بے دام

یاد ہے!

گلفروشی بر قباری کا فسانہ یاد ہے

مسکرا کر وہ ترا آنچل اُٹھانا یاد ہے

یاد ہیں وہ میکدہ بر دوش نظریں یاد ہیں

وہ ترا بھر بھر کے جامِ مے پلانا یاد ہے

ناز سے اُلجھے ہوئے گجروں کو سلجھاتے ہوئے
وہ ترا دھیمے سروں میں گنگنانا یاد ہے

بے رُخی کے ساتھ سُننا دردِ دل کی داستاں
وہ کلائی میں ترا کنگن گھمانا یاد ہے

وہ مرے اشعار پر رنگیں لبوں کی واہ وا!
لُطف لے لے کر ترا چٹکی بجانا یاد ہے

ہے دہکتی آگ کا اب تک نگاہوں میں سماں
جوش میں چہرے کا تیرے تمتمانا یاد ہے

وہ ترا غور و تفکر وہ ہوائیں تیز تیز
گیسوؤں کا رخ سے جھنجلا کر ہٹانا یاد ہے

وہ تری مستی بھری خود ساختہ سنجیدگی
انگلیوں سے خشک مہندی کا چھڑانا یاد ہے

وہ ترا بدمست ہو کر کچھ نہ کہہ سکنا مگر
ہونٹ کو رہ رہ کے دانتوں میں دبانا یاد ہے

وہ ترے رنگین ہونٹوں پر تبسم کی نمود
پھول بن بن کر ترا بجلی گرانا یاد ہے
وہ ترا جذبات کو آتش فشاں کرنے کا ڈھنگ
وہ ترا ہر بار مجھ سے رُوٹھ جانا یاد ہے
فتنہ ساماں! وہ ترا انگڑائی لینے کے لئے
آسماں کی سمت ہاتھوں کا اُٹھانا یاد ہے
وہ ہتھیلی سے ترا آنکھوں کا ملنا دیکھ کر
صُبح کے تاروں کا پیہم جھلملانا یاد ہے
ہائے! یہ بے کیفیٔ دِل وائے! یہ ویرانیاں
وہ تو یہ کہیے کہ تیرا مُسکرانا یاد ہے
حضرت ماہر تمھیں ان دل شکن حالات میں
یہ ہی کیا کم ہے محبت کا فسانہ یاد ہے

آج کل

ہر سو نشاط و کیف کا ساماں ہے آج کل
عالم تمام صُبحِ بہاراں ہے آج کل
موجِ شراب زیست کا عنواں ہے آج کل
کونین غرقِ مستیٔ عصیاں ہے آج کل
جو بھی شریکِ محفلِ رنداں ہے آج کل
اُس پر نزولِ رحمتِ یزداں ہے آج کل
مستی کا نام جذبۂ عرفاں ہے آج کل
زاہد کو بھی گناہ کا ارماں ہے آج کل
قطرہ میں سلسبیل کی موجوں کا ہے فروغ
ذرہ طلوعِ صبحِ گلستاں ہے آج کل
ظلمت بھی نور و کیف کے سانچے میں ڈھل گئی
جامِ شراب، مہرِ درخشاں ہے آج کل

لطفِ نشاط کم نہیں ہوتا کسی طرح
ٹھہری ہوئی سی گردشِ دوراں ہے آج کل

فردا کی فکر ہے نہ گزشتہ کا کوئی غم
دستِ جنوں میں ہوش کا داماں ہے آج کل

خود آ رہے ہیں اُن کی طرف سے پیامِ شوق
اپنے کیے پہ حُسن پشیماں ہے آج کل

وہ فلسفہ جو فطرتِ انساں پہ بار تھا
شعر و شباب و حُسن کا طوفاں ہے آج کل

ذرے سُنا رہے ہیں محبّت کی واردات
تاروں کی روشنی بھی غزلخواں ہے آج کل

ہر سمت ہو رہی ہے تمنّا کی روشنی
اُمید کا چراغ فروزاں ہے آج کل

کہہ دو غمِ حیات سے فرصت نہیں مجھے
اُن کا خیال سلسلہ جُنباں ہے آج کل

ٹھہرا ہوا ہے منزلِ عشرت پہ کارواں
قابو میں میرے عُمرِ گریزاں ہے آج کل
وہ کیفیت کہ زیست کا حاصل کہیں جسے
ماہرؔ تری نظر سے نمایاں ہے آج کل

عورت

صُبحِ فطرت کا اُجالا بزمِ ہستی کا چراغ
حُسن کا بے تاب دل، عشق و محبت کا دماغ
چہرۂ ہستی کا غازہ بن گیا جس کا وجود
بھیجتی ہیں دہر کی رنگینیاں جس پر درود
جس کی زلفوں سے شب تاریک پاتی ہے نمود
جس کے چہرے کا نکھار صبح کا روشن وجود
جس کی پیشانی کو آبِ نُور سے دھویا گیا
جس کے ہونٹوں میں مسیحائی کا رس گھولا گیا

جس کی چشمِ ناز کو شرم و مروت دی گئی
جس کے ہر انداز میں بجلی کی روح ل کی گئی
بوئے گل، رنگِ شفق، اندازِ رفتارِ نسیم
اس جہانِ آب و گل میں بن گئے جس کے ندیم
توسنِ الفت کو وہ جس رُخ پہ چاہے موڑ دے
جس کا ہر جلوہ طلسمِ سحرِ بابل توڑ دے
جس کے پیروں کے تلے جنت کے ایوان و چمن
جس کے دم سے جگمگاتا ہے شبستانِ سخن
شعر کا موضوعِ دلکش اور افسانوں کی جان
صانعِ قدرت کی صناعی کا اک زندہ نشان
جس کا بچپن بن کھلی کلیوں سے بھی زاید لطیف
جس کی پاکیزہ مزاجی آپ ہی اپنی حریف
لالہ و گل کی طرح خود آزما جس کا شباب
ہر تجلی برق ساماں، ہر تبسم کامیاب

وہ بڑھاپا زندگی کی شام کہتے ہیں جسے

پائمالِ گردشِ ایام کہتے ہیں جسے

ایسے نازک دور میں اُس جانِ فطرت کا دماغ

دہر میں تدبیرِ منزل کے جلاتا ہے چراغ

جس کی فطرت میں سمویا زندگی کا سوز و ساز

جس کے دل کو حق نے بخشا آدمیت کا گداز

جس کے آتے ہی جہاں میں چاندنی سی کھل گئی

جس کی طینت میں وفاداری کی مے گھل مل گئی

جس کو اربابِ نظر فردوسِ زیبائی کہیں

جس کے دل کو شعلہ و شبنم کی یکجائی کہیں

آب و آتش کے عناصر سے بنا جس کا مزاج

جس کے جذبہ نے لیا ہے برق و باراں سے خراج

جس کا عزمِ مستقل محکم چٹانوں کی طرح

حوصلوں میں جس کے رفعت آسمانوں کی طرح

صنفِ نازک دہر کی تاریخ کا وہ باب ہے
جس کا ہر نقطہ حریفِ گوہرِ نایاب ہے

شب بے خواب

وہ دل کہ جس کو نیند نہ آئی تمام رات
دیتا رہا تمہاری دہائی تمام رات

اے دوست! اپنے دیدۂ بے خواب کی قسم
تاروں سے میں نے آنکھ لڑائی تمام رات

میں وہ کہ رات آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹ دی
تم وہ کہ تم نے راہ دکھائی تمام رات

بابِ قبولیت کے دریچے بھی بند تھے
نالوں نے میرے راہ نہ پائی تمام رات

اُمید کا چراغ فروزاں نہ ہو سکا
آہوں نے شمع یاس بجھائی تمام رات

کس کس طرح سے میں نے غمِ انتظار کو
اُمید کی شراب پلائی تمام رات

آنکھوں سے آنسوؤں کی روانی کو دیکھ کر
شبنم نے بوند بوند گرائی تمام رات

ماؔہر ہی ایک عابدِ شب زندہ دار تھا
سوتی رہی خدا کی خدائی تمام رات

داستانِ محبّت

آنے سے پہلے :-

اُفق پہ آنے لگی سیاہی شفق کی سرخی جھلک رہی ہے
یہ رات بیدار ہو رہی ہے کہ آنکھ دن کی جھپک رہی ہے
پرند مسکن کو جا رہے ہیں، کسان کھیتوں سے آرہے ہیں
نظر سے دن بھر کی سخت محنت سرور بن کر ٹپک رہی ہے
چراغِ خورشید جھلملایا، بڑھا وہ تاریکیوں کا سایہ
بڑے قرینہ سے چادرِ شب رخِ جہاں پر ڈھلک رہی ہے
یہ شبنم آلودسی ہوائیں، یہ رات کی دل رُبا ادائیں
نہا کے بالوں کو جیسے کوئی حسین عورت جھٹک رہی ہے
ابھی تو پہلا پہر ہے شب کا ابھی وہ کیوں آئیں گے مرے گھر
مگر ابھی سے ہے دل میں دھک دھک ابھی سے چھاتی دھڑک رہی ہے

یہ کس کی آمد کا ہے تصور کہ میں بہت کچھ بدل گیا ہوں
قدم بھی کچھ لڑکھڑا رہے ہیں، نگاہ بھی کچھ بہک رہی ہے
فضا میں خوشبو، ہوا معطر، یہاں بھی جنت وہاں بھی جنت
اُٹھا وہ طوفان نکہتِ گل، تمام دُنیا مہک رہی ہے
نہ جانے آواز دی یہ کس نے وہ چل دئے ہو گئے اپنے گھر سے
وہ چاند نکلا، وہ نور پھیلا، تمام دنیا مہک رہی ہے

آنے کے بعد:-

وہ آئے اور آ کے مسکرائے کہا کہ کیسی گزر رہی ہے
جو ایک مدت سے تہہ نشیں تھی وہ کشتیِ دل اُبھر رہی ہے
وہ زُلفِ شبگیر جس کے سایہ میں شامِ ظلمات جگمگائے
ہوا سے ماتھے پہ ہل رہی ہے سنور سنور کر بکھر رہی ہے
خموشیوں کی جلو میں نغمے، چھڑے ہوئے سازِ سرخوشی کے
ادائیں بھی گیت گا رہی ہیں، نگاہ بھی بات کر رہی ہے

جھکی جھکی سی نگاہِ الفت، دبی دبی شوخیوں کی دعوت
حیا کی شدت سے اُن کے رُخ کی کچھ اور رنگت نکھر رہی ہے
زہے مقدر! کہ اُن کو جا کر حریم عشرت سے کھینچ لائی
وہ آہ یعنی پیامِ الفت جو آج تک بے اثر رہی ہے

کیفیات:۔

زمانہ تیزی سے جا رہا ہے، میں کیا کروں رات ڈھل رہی ہے
چراغ بھی جھلملا رہے ہیں ہوا بھی پہلو بدل رہی ہے
ہزار آتش کدوں کی گرمی وہ اپنی سانسوں میں لے کے آئے
جو آگ دل میں سلگ رہی ہے وہ آج آنکھوں میں جل رہی ہے
قمر کی ضو میں چمک رہے ہیں، زمیں کے کم سواد ذرے
فلک سے بھی ہُن برس رہا ہے، زمیں بھی سونا اُگل رہی ہے
سنبھل سنبھل کر وہ بڑھ رہے ہیں، جھجک جھجک کر سنبھل رہے ہیں
عجب کشاکش میں پڑ گئے ہیں، حیا و شوخی میں چل رہی ہے

زباں پہ آ آ کے رُک رہی ہیں حکایتیں شوقِ آرزو کی
میں کس طرح اُن کو یہ بتاؤں مری طبیعت مچل رہی ہے

دورِ آخر:-

وہ اس طرح مسکرا رہے ہیں گلوں کی رنگت بھی کٹ رہی ہے
عجیب بدمست انکھڑیاں ہیں شراب جیسے کہ بٹ رہی ہے
یہ نرم پورے، گداز باہیں، ہمین ساری یں جسم رنگیں
نگاہ کا شوق بڑھ رہا ہے، جگر کی تکلیف گھٹ رہی ہے
اُدھر بھی جذبات کا تلاطم، ادھر بھی احساس کی نزاکت
حجاب کے بند کھل رہے ہیں حیا کی چادر سمٹ رہی ہے
ذرا جو آغوشِ سرخوشی سے نظر اُٹھا کر فلک کو دیکھا
سحر کے آثار جلوہ گر ہیں، بساطِ انجم الٹ رہی ہے

دکن کی برسات

ہوائیں گیت گاتی جا رہی ہیں گھٹائیں لڑکھڑاتی جا رہی ہیں

سہانی رت یہ کیف آلود موسم — فضائیں مسکراتی جا رہی ہیں
بہ عنوانِ تراوش نرم بوندیں — پکھاوج سی بجاتی جا رہی ہیں
ہوائیں راستہ میں لڑکیوں کے — دوپٹوں کو اڑاتی جا رہی ہیں

دلِ پُر درد کی دیرینہ چوٹیں
ابھر کر کام آتی جا رہی ہیں

چمن کا پتہ پتہ دُھل رہا ہے — اندھیرے میں اُجالا گھُل رہا ہے
کسی بدمست دوشیزہ گھٹا کا — سرِ کہسار جُوڑا کھُل رہا ہے

خوشی ماحول پر چھائی ہوئی ہے
کہ پھولوں میں زمانہ تُل رہا ہے

پپیہا اک قیامت ڈھا رہا ہے — بڑے اونچے سروں میں گا رہا ہے
ارے یہ گرمیِ کیف و مسرت — گھٹاؤں کو پسینہ آ رہا ہے
مرے گھر کی منڈیروں پر بھی سبزہ — عجب انداز سے لہرا رہا ہے
بہت ہلکی پھواریں پڑ رہی ہیں — کہ جیسے عطر چھڑکا جا رہا ہے
کہیں ساری کا پلو ہاتھ میں ہے — کہیں بالوں کو جھٹکا جا رہا ہے

میں خود ہوں اپنے تیروں کا نشانہ
کوئی میری غزل کو گا رہا ہے

غزل

جگر میں درد پایا جا رہا ہے
مجھے شاید بُلایا جا رہا ہے

نقابِ رُخ اٹھایا جا رہا ہے
وہ نکلی دُھوپ سایا[1] جا رہا ہے

مریضِ غم کو آ کر دیکھ جاؤ
کہ تم پر حرف آیا جا رہا ہے

نگاہیں بھی ہیں کچھ بہکی ہوئی سی
قدم بھی لڑکھڑایا جا رہا ہے

وہ خاکِ دل سے بچ کر چل رہے ہیں
ابھی تک آزمایا جا رہا ہے

شبِ وعدہ نہ آنا تھا نہ آئے
چراغوں کو بجھایا جا رہا ہے

سُناتے ہو کسے رُوداد ماہرؔ
وہاں تو مُسکرایا جا رہا ہے

---

[1] سایہ

گلی کے موڑ پر جھٹکے[1] کھڑے ہیں بہت ہی تیز موٹر چل رہے ہیں
وہ دیکھو سائیکل والوں کی دوڑیں ٹپکتی جا رہی ہیں سر سے بوندیں

کہیں پر ڈھیریاں ہیں بے نشاں[2] کی کہیں پر قلفیاں ہندوستاں[3] کی
گراکوں[4] سے بھرے ہیں چائے خانے بہت دلچسپ ہیں فلمی ترانے

وہ آئی سامنے سے آم والی لبوں پر پان کے بیڑے کی لالی
بدن پر ہے بہت ہی تنگ چولی جلو میں اس کے ارمانوں کی ٹولی

جبیں پر سُرخ بٹّو[5] کی ہے دھاری بڑے انداز سے باندھی ہے ساڑی
بہت ہی چاق چوبند اور چنگی زباں اردو مگر لہجہ تلنگی

ہوس کے سیکڑوں طوفاں نظر میں بہت سے تجربے غلطاں نظر میں
پھلوں کا اُس کے سر پہ ٹوکرا ہے
گھٹا کا جس پہ سایہ پڑ رہا ہے
ہوا ٹھنڈی فضا بدمست سی ہے شرابِ زندگانی ڈھل رہی ہے

---

[1] یکہ کی قسم کی ایک سواری۔ [2] آموں کی ایک قسم۔ [3] دکن میں پوربی کو ہندوستاں کہتے ہیں۔
[4] گاہک۔ [5] قشقہ

عجب رُت ہے نہ سردی ہے نہ گرمی ہوائیں انتہا درجہ کی نرمی
بڑی پر کیف رم جھم ہو رہی ہے گھٹا جیسے فضا کو دھو رہی ہے
مسرت کارواں در کارواں ہے
دکن برسات میں جنت نشاں ہے

وطن کی یاد میں

اے خاکِ وطن، جہانِ اُمید ہر شام ہے تیری رشکِ صد عید
ہر سمت سکونِ راحت افزا ذرے ہیں مسرتوں کی دنیا
اُلفت میں بسی ہوئی ہوائیں ڈوبی ہوئی کیف میں فضائیں
بہتے ہوئے عشرتوں کے دریا چلتی ہوئی کشتیٔ تمنا
اے گل کدۂ سرور میں بھی لیتا تھا فضا میں سانس تیری
دنیا کی مسرتیں تھیں حاصل ہر فکرِ جہاں تھی نقشِ باطل
وہ بزم وہ چاندنی کی راتیں احباب کی دلنواز باتیں
یاروں کی وہ سامعہ نوازی تاروں کی فضا بھی جھومتی تھی

برسات میں بانسری کے نغمے ... اور اُس پہ ہوا کے سرد جھونکے
ہر سمت تھی عشرتِ فراواں ... تجدیدِ حیات کے تھے ساماں
جاڑوں میں الاؤ کے کنارے ... سب دوست عزیز بیٹھتے تھے
کِس لُطف سے کمسنی کے قصے ... کہتے تھے خوشی سے جھومتے تھے
سبزے کا نظر نواز منظر ... اب تک ہیں نقوش جس کے دل پر
صد حیف وہ انجمن نہیں ہے ... سب کچھ ہے مگر وطن نہیں ہے
فرقت کا الم ہے اور میں ہوں ... احباب کا غم ہے اور میں ہوں
ہے ارضِ دکن اگرچہ جنت ... لیکن وہ کہاں وطن کی صحبت
دل میں وہ شگفتگی نہیں ہے ... پردیس میں زندگی نہیں ہے
اے کاش! پہنچ رہوں وطن میں ... کھنچ جائیں زمیں کی طنابیں

اے خاکِ وطن! کشش دکھا کر
غربت کے الم کا خاتمہ[1] کر

---

[1] خاتمہ۔

حدیثِ شب

غرقِ مستی تھے زمین و آسماں کل رات کو
اُٹھ رہا تھا آتشِ مے سے دھواں کل رات کو

تابشوں کے تیر برسائے زمیں پر بے شمار
چرخ نے لے کر مہِ نو کی کماں کل رات کو

بھر رہے تھے نور سے ذرے بھی اپنی جھولیاں
لُٹ رہی تھی دولتِ کون و مکاں کل رات کو

کتنی کیف انگیز تھی یک فرصتِ رقصِ شرر
وجد کرتی تھی حیاتِ جاوداں کل رات کو

میکدوں میں جام و مینا کا تصادم تھا غضب
دیدنی تھی مُغبچوں کی شوخیاں کل رات کو

جام مے دیتے ہوئے ساقی کی چشمِ مست سے
ٹپکی پڑتی تھی شرابِ ارغواں کل رات کو

رند تو کیا شیخ و زاہد بھی بہ ایں تقویٰ و زہد
کر رہے تھے بیعتِ پیرِ مغاں کل رات کو

کر رہا تھا محتسب بھی در گزر پر در گزر
تھی عنایت پر نگاہِ دشمناں کل رات کو

گھومتی تھیں ہر طرف باہوں میں باہیں ڈال کر
مہوشوں کی ٹولیوں کی ٹولیاں کل رات کو

آسماں پر اس طرح کچھ ہو رہی تھی چھیڑ چھاڑ
سمٹی جاتی تھی عروسِ کہکشاں کل رات کو

لطف لے کر مست ہو ہو کر ہوائیں بار بار
سوہنی میں چھیڑتی تھیں ٹھمریاں کل رات کو

ساکنانِ ارض تھے بے خوف انجامِ نشاط
چل نہ سکتا تھا فریبِ آسماں کل رات کو

اک ہجومِ عام تھا بابِ حریمِ یار پر
سو گیا تھا مست ہو کر پاسباں کل رات کو

غُرفۂ جنت سے حُوریں جھانکتی تھیں بار بار
پڑ رہی تھیں حُسن کی پرچھائیاں کل رات کو

عیش کے ہاتھوں کچھ ایسی غم کی حالت تھی خراب
لے رہا تھا ہچکیوں پر ہچکیاں کل رات کو

اُٹھ گئے تھے نور کے سارے حجاباتِ لطیف
تھیں نمایاں حُسن کی باریکیاں کل رات کو

اے تعالیٰ اللہ! رنگ و بو کا جوشِ بے پناہ
بن گیا تھا دشت بھی جنت نشاں کل رات کو

انتہا یہ ہے کہ ہر ذرہ تھا سرمستِ شباب
مختصر یہ ہے کہ دُنیا تھی جواں کل رات کو

لیکن اِس ہنگامۂ عیش و طرب کے باوجود
میرا سر تھا اور کسی کا آستاں کل رات کو

رنگین ضیافت

وہ احباب کی بے تکلّف ضیافت
بہت پر خلوص اور دلچسپ صحبت

وہ برکھا کی رُت اور پھولوں کا منظر
مکاں کی سجاوٹ نگاہوں کی جنت

ہر اک بات میں انتظام و سلیقہ
ہر اک چیز میں سادگی کی رعایت

یہی چار چیزیں تھیں واں کار فرما
نفاست، نزاکت، مسرت، محبت

تواضع میں ڈوبی ہوئی میزبانی
مدارات کا سلسلہ بے نہایت

مسرت اثر وسعتیں حوصلہ کی
وہ الوانِ نعمت وہ کھانوں کی کثرت

وہ خوش انتظامی کہ ہر چیز حاضر
ذرا اک اشارے کی تھی بس ضرورت

مجھی سے تخاطب کا اقدام پیہم
وہ سب دوستوں کی مجھی پر عنایت

وہ باتوں ہی باتوں میں دل کے فسانے
وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں رمزِ اشارت

زہے دوستی! بزم میں میری خاطر
بلائی گئی اک مجسم قیامت

وہ ظالم ادائیں وہ کافر جوانی
وہ آنکھیں کہ جامِ مے ارغوانی

لبوں پر نمایاں تبسّم کی موجیں وہ گلدستۂ عشرت و شادمانی
وہ آواز کا لوچ وہ نرم لہجہ وہ دلچسپ فقرے وہ شیریں بیانی
وہ شوخی جو کردار کا راز کہہ دے اُسی کی حکایت اُسی کی زبانی
وہ نغموں کی بارش وہ جلووں کی یورش
اور اُس پر وہ برسات کی رُت سُہانی
وہ آنکھوں کے ڈورے شرابی شرابی وہ ہونٹوں کی رنگت گلابی گلابی
وہ رُخسار کی دِلفریبی کا عالم کبھی ماہتابی، کبھی آفتابی
وہ رہ رہ کے انداز انگڑائیوں کے وہ آنکھوں میں اک موجۂ نیم خوابی
وہ حُسن و محبت کا اک رنگین دھوکا
کبھی شرم طاری کبھی بے حجابی

نرت کے لیئے وہ منظم اشارے ہرن کی طرح پتلیوں کے ترارے
وہ بدمست بننے کی دلچسپ کوشش وہ انگڑائیاں شوخیوں کے سہارے
وہ شفاف دنداں کہ سلکِ لآلی وہ سچ مُچ دمکتے ستارے

بہ ہر طرز جادو بہ ہر غمزہ محشر

بہ ہر خندۂ روح افزا بہارے

وہ ہر شعر پر سوچ کر مسکرانا   وہ میری غزل اُس کا رُک رُک کے گانا
وہ مہندی میں ڈوبی ہوئی انگلیوں سے   ذرا جھوم کر اُس کا چٹکی بجانا
وہ دامِ ہوس کے بڑے نرم حلقے   مسلسل وہ آنکھوں سے آنکھیں ملانا
وُہ ہشیار انداز غارت گری کے   کبھی مسکرانا، کبھی جھینپ جانا
گلو بند کے موتیوں کی نمائش   کبھی ہاتھ کی چوڑیوں کو دکھانا

کبھی بے رخی اور کبھی خود ہی کہنا
ہمارے یہاں بھی کسی روز آنا

عجب پاک فطرت گنہگاریاں تھیں   کہ بے شیشہ و جام سرشاریاں تھیں
بہ ہر ناز و شوخی ستمگاریاں تھیں   بہ ہر شعر و نغمہ اداکاریاں تھیں
مرے دل کا اس وقت عالم عجب تھا   نہ بے ہوشیاں تھیں نہ ہشیاریاں تھیں
نگاہیں بھی مجرم، تخیل بھی ملزم   خطا کوشیاں تھیں ہوس کاریاں تھیں

میں اُس وقت اُس راہ میں تھا جہاں پر
نہ مجبوریاں تھیں نہ مختاریاں تھیں

تصور ہی اِس وقت کام آرہا ہے
کہ جیسے کوئی ٹھمریاں گا رہا ہے

بہ ایں عقل و دانش بہ ایں قید و بندش
کوئی مجھ کو کھینچے لئے جا رہا ہے

جو دیکھا گیا رات کو جاگتے میں
وہی خواب اب تک نظر آرہا ہے

کوئے دوست

کیا خلش انگیز تھے وہم و گمانِ کوئے دوست

میں نے ہر رہرو کو سمجھا پاسبانِ کوئے دوست

دونوں عالم سے جدا پایا جہانِ کوئے دوست

اللہ اللہ! وہ زمین و آسمانِ کوئے دوست

دل کی منزل میں رواں تھا کاروانِ کوئے دوست

پوچھتا پھر میں کسی سے کیوں نشانِ کوئے دوست

رہرووں کے نقشِ پا تھے ترجمانِ کوئے دوست

ہر طرف لکھی ہوئی تھی داستانِ کوئے دوست

کیا خبر بابِ حریمِ ناز وا ہو یا نہ ہو
بس یہی اک وہم تھا سنگِ گرانِ کوئے دوست

وہ مرے جھجکے ہوئے انداز کی وارفتگی
وہ اندھیرا اور انبوہِ[۱] سگانِ کوئے دوست

اس طرف جذبات کی رو اپنے پورے زور پر
اس طرف برسات اور آبِ روانِ کوئے دوست

وہ مرا آہستہ چلنا راہگیروں کی طرح
میں بھی تھا گویا یکے از واردانِ کوئے دوست

وہ گرجتے اور برستے بادلوں کا زور شور
مٹ رہے تھے نقشِ پائے رہروانِ کوئے دوست

وہ فضائے روح پرور وہ ہوائے کیف بار
ہو مبارک تم کو اے آسودگانِ کوئے دوست

اب وہ گھبراہٹ وہ پہلی سی جھجک باقی نہیں
ہو چلا ہوں میں بھی کچھ کچھ رازدانِ کوئے دوست

[۱] تلمیح

ساوگیم را نگر دا رفتگیم را ببیں
ساختم قصرِ تمنا درمیانِ کوئے دوست

گلشنِ فردوس ہے باغ و بہارِ کوئے دوست
اُس کی قسمت جس کو مل جائے جوارِ کوئے دوست

لمحہ لمحہ عشرتیں ہیں، لحظہ لحظہ راحتیں
ایک ہی مرکز پہ ہیں لیل و نہارِ کوئے دوست

کرچکا ہوں میں بھی اک معصوم اور رنگیں گناہ
میرے دامن پر بھی ہے نقشِ غبارِ کوئے دوست

ذرہ ذرہ دے رہا ہے دعوتِ نقد و نظر
اللہ اللہ! زینتِ نقش و نگارِ کوئے دوست

مجھ پہ ہر منظر نے پھینکی اک کمندِ نرم و شوخ
میں نے ہر ذرہ کو سمجھا شاہکارِ کوئے دوست

می سراید شعرِ خود یک خاکسارِ کوئے دوست
اے جزاک اللہ! فیضِ اعتبارِ کوئے دوست

دید کے قابل ہے حسنِ اہتمامِ کوئے دوست
صبحِ جنت ہے کہیں بڑھ کر ہے شامِ کوئے دوست

پا شکستہ، ناتواں اور اُس پہ ہوں بے زاد راہ
ساتھ لے چل مجھ کو بھی اے تیز گامِ کوئے دوست

میری جانب ہو رہی ہے کیا نگاہِ التفات
خاص ہونے کو ہے شاید فیضِ عامِ کوئے دوست

آہ! وہ جو رشک کے ہاتھوں تباہ و زار ہے
ہائے! وہ جس کو میسر ہو قیامِ کوئے دوست

کھا رہا ہے شوق اک اک گام پر لاکھوں فریب
یعنی ہم رنگِ زمینِ دل ہے دامِ کوئے دوست

باوجودِ سعیِ اخفا آشکارا گشت راز
از نگاہم می تراود احترامِ کوئے دوست

بھا گئی ہے اس قدر دل کو فضائے کوئے دوست
مرغزاروں میں بھی کہہ اُٹھتا ہوں "ہائے کوئے دوست"

عشق کی سوگند، جذبِ شوقِ بیحد کی قسم
کچھ نظر آتا نہیں مجھ کو سوائے کوئے دوست

قطرۂ شبنم بھی رکھتا ہے مزاجِ آفتاب
میرے ذہن و فکر اور اندیشہ ہائے کوئے دوست

ایک کیفیت ہے لطفِ وصل و فرقت سے بلند
ایک منزل اور بھی ہے ماورائے کوئے دوست

فانیؔ[1] مرحوم نے میرا فسانہ کہہ دیا
"پھر فریبِ سادگی ہے رہنمائے کوئے دوست"

آرزوئے شوق در جان و دلِ من جا گرفت
می پرد مرغِ خیالم در ہوائے کوئے دوست

جوان ہونے سے کچھ پہلے

بہت سادہ طبیعت بھولی بھالی کہ جیسے بن کھلی کلیوں کی ڈالی

[1] فانی بدایونی کی غزل کا مطلع

جبیں سچی خوشی کا آشیانہ
تبسم میں مسرت کا ترانہ

زمانہ کی ہوا سے بے خبر ہے
نظر معصوم، دل معصوم تر ہے

کنول کے پھول کی مانند سادہ
حیا فطرت زیادہ سے زیادہ

حنا سے پاک ہیں شفاف پورے
ذرا کچھ سُرخ ہیں آنکھوں کے ڈورے

نگاہیں مطمئن چہرہ ہے مسرور
یہ عالم ہے پشیماں نہ مغرور

ابھی تک مسکراہٹ بے سبب ہے
ابھی دل کی انگیٹھی گرم کب ہے

ابھی انگڑائی ہے جذبہ سے خالی
ابھی آزاد ہے ہونٹوں کی لالی

ابھی کوئی پریشانی نہیں ہے
نظر مانوسِ حیرانی نہیں ہے

تمناؤں کی پابندی نہیں ہے
مسرت میں کوئی ساجھی نہیں ہے

بناوٹ سے نہیں اُس کو سروکار
کہ وہ فطرت کے گلشن کی ہے پھلوار

پریشاں زُلف صدری ملگجی ہے
دوپٹہ کی کناری مُڑ گئی ہے

گریباں کے بٹن ٹوٹے ہوئے ہیں
جبیں پر بال کچھ چھوٹے ہوئے ہیں

گرہ دیتی ہے اُلجھے گیسوؤں میں
کھٹکتی ہے کبھی ناخن کی کوریں

کلی اب پھول بنتی جا رہی ہے
دبے پاؤں جوانی آ رہی ہے

نگاہوں میں بہت مبہم اشارات — زباں پر جیسے بے سمجھی ہوئی بات
جوانی اک قیامت لا رہی ہے — بڑی ہی سخت منزل آ رہی ہے

ابھی دردِ محبت راز میں ہے
جوانی منزلِ آغاز میں ہے

؟ سے !

ہاں اُسی دھن میں گیت گائے جا — اور دل کی لگی بڑھائے جا
میرے تیروں سے کر مجھے گھائل — میری غزلیں مجھے سنائے جا
تجھے تیرے ربابِ دل کی قسم — ساز کی لے میں لے ملائے جا
میری وارفتگی کی داد بھی دے — میری باتوں پہ مسکرائے جا
بھیرویں ہو کہ سوہنی یا دیس — وقت کی چیز گنگنائے جا
ہلکی ہلکی جماہیاں لے کر — میری آنکھوں کی نیند اڑائے جا
دامنِ دل کا اور کیا ہو گا — اس کی تو دھجیاں اڑائے جا
میں جو غزلیں پڑھوں ترنم سے — تو بھی کچھ بول گنگنائے جا

دیکھ کر پھر گھڑی[1] کلائی کی طاقتِ ضبط آزمائے جا
اہلِ محفل کے واسطے بیڑے مسکراتے ہوئے بنائے جا
دوسروں سے بڑھا کے ہاتھ ملا جاتے جاتے بھی دل دکھائے جا
"اب ملاقات تم سے کب ہوگی" اتنا کہہ کر قدم بڑھائے جا

شعر و نغمہ کی آڑ میں ماہر
تو اُسے دردِ دل سنائے جا

نیند کے مارے اک دوشیزہ!

چاند کی رنگت پھیکی سی ہے، رات بھی ڈھلتی جاتی ہے
شمع بھی سوزِ دل کے ہاتھوں رنگ بدلتی جاتی ہے
سانس کی تیزی کیا کہیئے تلوار سی چلتی جاتی ہے
بادِ صبا ٹھوکر کھا کر ہر بار سنبھلتی جاتی ہے
نیند کے مارے اک دوشیزہ آنکھیں ملتی جاتی ہے

[1] وقت دیکھنے کے لیے کہ رات زیادہ ہوگئی۔

نظم بھی ہے غزلیں بھی ہیں اور گیت بھی ہے تقریر بھی ہے
پھول بھی ہیں انگارے بھی ہیں پارہ ہے اکسیر بھی ہے
موسیقی کے زیر و بم ہیں اور ان میں تاثیر بھی ہے
نغمہ کے طوفانوں میں ہر سانس جھکولے کھاتی ہے
نیند کے مارے اک دوشیزہ آنکھیں ملتی جاتی ہے

ماتھے کی نمناک لکیریں نور کا مینہ برساتی ہیں
ہونٹ ہیں گویا کچی کلیاں آنکھیں کچھ کچھ گاتی ہیں
خود ہی خود غزلوں پر غزلیں موزوں ہوتی جاتی ہیں
زلف کی بے ترتیبی رخ پر اور قیامت ڈھاتی ہے
نیند کے مارے اک دوشیزہ آنکھیں ملتی جاتی ہے

ہونٹ کی لالی کو گر دیکھے پھول کی پتی شرما جائے
آنکھ کی مستی جب چاہے پیمانے دل کے چھلکا جائے
حسن سراپا مستی ہے اور مستی کو کیا سمجھا جائے
پریم کی دھن میں مست جوانی گیت خوشی کے گاتی ہے
نیند کے مارے اک دوشیزہ آنکھیں ملتی جاتی ہے

بغداد کے چمن میں ایک شام

اُف وہ کفر انگیز منظر ہائے وہ رنگین شام
چند لمحوں میں بدل ڈالا مرے دل کا نظام
جس طرف دیکھو جمالِ رنگ و بُو تھا آشکار
پتیاں، سبزہ، شگوفے، اوس کے قطرے، بہار
ہر روش پر مضمحل دل کی کلی کھِلتی ہوئی
شام سورج کی شعاعوں سے گلے مِلتی ہوئی
نغمۂ صد عیش تھا نورس شگوفوں کا سکوت
پتی پتی دے رہی تھی سکر و مستی کا ثبوت
تھی چمن کی اجتماعی شان و شوکت دیدنی
زندگی مستی، جوانی، حُسن، نغمہ، تازگی
تھی طراوت روح افزا اور خنکی خوشگوار
چپہ چپہ پر نظر افروز گملوں کی قطار

غیرتِ خلدِ بریں تھی گل کدے کی مرز بوم
ہر روش پہ تھا عراقی نازنینوں کا ہجوم
کوئی سبزے پر تھی آسودہ کوئی محوِ خرام
پی رہی تھی کوئی لے لے کر مزے شربت کے جام
کوئی شاخیں تھام کر انگڑائیاں لیتی ہوئی
کوئی انگلی سے بڑھ کے پھول کو دیتی ہوئی
جوشِ مستی میں کوئی طاؤسِ رقصاں کی مثال
کوئی کچھ کھوئی ہی جیسے رم خوردہ غزال
جانبِ مشرق بہت سی تھیں یہودی لڑکیاں
کر رہی تھیں اپنی جو ہمجولیوں سے شوخیاں
گنگناتی تھی کوئی چٹکی بجاتی تھی کوئی
سونگھ کر پھولوں کو خود ہی مسکراتی تھی کوئی
کوئی کرتی تھی حفاظت گیسوئے خمدار کی
تھی کسی کو فکر اپنے غازۂ رخسار کی

کوئی چلتی تھی جوانی کے نشہ میں جھوم کر
کوئی شرمائی سی جاتی تھی کلی کو چوم کر
کوئی محوِ گفتگو تھی کوئی مصروفِ خیال
کوئی کہتی تھی نگاہوں کے اشارے سے تعالؔ
ہر نظر افروز صورت حاصلِ نظارہ تھی
کیا بتاؤں کس قدر میری نظر آوارہ تھی
ہر پری چہرہ مجسم شوخی و ناز و ادا
میرا بس چلتا تو میں اپنی نظر کو چومتا
انکھڑیوں کے سُرخ ڈوروں کی گلابی جھلکیاں
میکدہ بر دوش نظروں کی لگاوٹ الاماں!
دل سے یکسر ہو گئے تھے محو سب اندوہ و غم
یاسمیں کے پھول کی سوگند، نرگس کی قسم
پھر مرے دل کو میسر ہو نشاطِ زندگی
کاش! دنیا اور دے اک فرصتِ نظارگی

ؔ یہاں آؤ

چلے گئے

شوخی سے میرا ہاتھ دبا کر چلے گئے
میں یہ سمجھ رہا ہوں بلا کر چلے گئے

اُن مست انکھڑیوں کا نظارہ نہ پوچھیے
جیسے مجھے شراب پلا کر چلے گئے

وہ شرمگیں نگاہ وہ اندازِ التفات
کچھ اور رسم و راہ بڑھا کر چلے گئے

یہ بھی خبر نہیں ہے کہ میرا جہانِ شوق
آباد کر گئے کہ مٹا کر چلے گئے

تسکین خاطرِ دلِ بے تاب کیا ہوئی!
سینے میں اور آگ لگا کر چلے گئے

وہ التفاتِ خاص مرے حالِ زار پر
ذرے کو آفتاب بنا کر چلے گئے

ماہرؔ وہ اُن کی شوخیٔ مستانہ ہائے ہائے!
میری غزل مجھی کو سنا کر چلے گئے

رنگین فسانے

اللہ رے اُن مست نگاہوں کا فسانہ
وہ ساعتِ رنگیں، وہ محبت کا زمانہ

رخسار کی ہر ضو میں ستاروں کی کہانی
زلفوں کا ہر اک پیچ گھٹاؤں کا فسانہ

رفتار میں رم خوردہ غزالوں کی کلیلیں
گفتار میں ہنستی ہوئی کلیوں کا ترانہ

نساری کی شکن حسن کا ٹھہرا ہوا دریا
آویزۂ رنگیں کہ بجلی کا خزانہ

وہ سادگیٔ حسن وہ خود دار جوانی
وہ اس بت کافر کی خدائی کا زمانہ

گھبرائی نگاہوں کے اچٹتے ہوئے ناوک
پڑتا تھا مگر ٹھیک جگر ہی پہ نشانہ

وہ شرم و حیا اور وہ معصوم ادائیں
جھنجلا کے وہ ڈھلکے ہوئے آنچل کا اٹھانا

وہ میری نگاہوں کی گزارش پہ گزارش
وہ اس کا کسی طرح بھی آنکھیں نہ ملانا

گھوڑے[1] کی سواری کا وہ منظر ارے توبہ!
ہر دور میں اک برق تبسم سے گرانا

موٹر[2] کا تصادم ارے موٹر کا تصادم
وہ اس کا جھجکنا وہ ذرا طیش میں آنا

وہ حسن کا پندار وہ خود دار جوانی
بس ایک تفکر سا نہ ہنسنا نہ ہنسانا

اس شعلۂ جوالہ کا ہر گام پہ کہنا
جل جاؤ گے دیکھو مرے نزدیک نہ آنا

اس چہرۂ رنگیں پہ نگاہوں کی وہ یورش
بیساختہ لب پر مرے اس شعر کا آنا

الجھیں ترے رخسار سے گستاخ نگاہیں
تو اور ہو مجروحِ تماشا مرے آگے

۱؎ ۲؎ کارنیوال (پرستان پارک) کا برقی موٹر اور گھوڑا۔

وہ اُس کا تغافل کہ "مجھے تم سے سروکار" میری یہ گزارش کہ مجھے بھول نہ جانا

یہ نقش مٹے گا نہ مٹائے سے بھی ماہر
یاد آئے گا ہر روز یہ رنگین فسانہ

ایک "حسینہ" سے، اُس کی شادی کے بعد

وہ ترے جذبات کی آتش فشانی کیا ہوئی
جس سے دنیا کانپتی تھی وہ جوانی کیا ہوئی

کیوں نہیں ہونٹوں پہ تیرے اب وہ طوفان نشاط
وہ تبسم کیا ہوا وہ گل فشانی کیا ہوئی

کیوں نظر آتا ہے اب تیرا تبسم سوگوار
وہ فضائے دل وہ صُبحِ شادمانی کیا ہوئی

اب تری باتیں ہیں گویا فلسفہ کے مسئلے
وہ تکلم کیا ہوا، رنگیں بیانی کیا ہوئی

اب کہاں ہیں وہ تری آنکھوں کے ڈورے سُرخ سُرخ
جذبۂ معصوم کی وہ ترجمانی کیا ہوئی

اب ترے دل کا سفینہ ہر طرح پابند ہے
بحرِ آزادی میں موجوں کی روانی کیا ہوئی

کیا ہوئیں وہ تیری طوفانی اُمنگیں کیا ہوئیں
زندگانی کیا ہوئی وہ نوجوانی کیا ہوئی

ہیں ترے جذبات کے کیوں پھُول مرجھائے ہوئے
غنچہ ہائے ناشگفتہ کی کہانی کیا ہوئی

یاد ہوگا تجھ کو میرا شعر تھا وردِ زباں
کیا ہوئی ظالم مری رنگیں نشانی کیا ہوئی

چھین لی کس نے ترے عارض کی سرخی چھین لی
چار ہی دن میں ترے پھولوں کی رنگت کیا ہوئی

ہے نظر میں آج تک پھولوں کی ڈالی کا سماں
چال کی شوخی تبسم کی صباحت کیا ہوئی

یہ زمانہ اور یہ سنجیدگی کی قید و بند
کیا ہوئی وہ مسکرا دینے کی عادت کیا ہوئی
گفتگو جھجکی ہوئی سی ہر قدم پر احتیاط
وہ شرارت کیا ہوئی، بے باک جرأت کیا ہوئی
کیوں تری باتوں میں وہ پہلی سی دلچسپی نہیں
وہ طبیعت کیا ہوئی آزاد فطرت کیا ہوئی
لُوٹ لیں کس نے مسرت کی بہاریں لوٹ لیں
شامِ عشرت کیا ہوئی صبحِ مسرت کیا ہوئی
آرزو کی سادگی دل کی لطافت کیا ہوئی
وہ مقدس اور معصوم الفت کیا ہوئی

جستجو

تاروں میں محبت کا جہاں ڈھونڈھ رہا ہوں
گزری ہوئی راتوں کا نشاں ڈھونڈھ رہا ہوں

جو میرے لیے منتظرِ جانبِ در تھی
اب تک وہی چشمِ نگراں ڈھونڈھ رہا ہوں

جس کے لیئے خود حُسن کے انداز ہیں بے چین
وہ سوزِ نہاں قلبِ تپاں ڈھونڈھ رہا ہوں

دُکھ درد کی ان چاند ستاروں کو خبر کیا
کھوئے ہوئے دل کو میں کہاں ڈھونڈھ رہا ہوں

ناکام دعاؤں کا اثر ڈھونڈھ رہا ہوں
میں اوس کی بوندوں میں شرر ڈھونڈھ رہا ہوں

پھر دل کو ہے اک تازہ جراحت کی ضرورت
اُس شوخ کا اندازِ نظر ڈھونڈھ رہا ہوں

اے وہ کہ تری راہ میں ہیں دیدہ و دل فرش
اب تک میں تری راہ گزر ڈھونڈھ رہا ہوں

اس دہر میں اور نقشِ وفا ڈھونڈھ رہا ہوں
کیا مجھ کو ہوا ہے یہ میں کیا ڈھونڈھ رہا ہوں

دردِ غمِ ہستی کی زمانہ کو خبر کیا
دیوانہ ہوں آغوشِ فنا ڈھونڈھ رہا ہوں
اللہ! نگہبان مرے ذوقِ طلب کا
یہ بھی نہیں معلوم کہ کیا ڈھونڈھ رہا ہوں

سوز و ساز

غزلیں

رحمت کو اُن کی جوش میں لانے کی دیر ہے
یعنی سرِ نیاز جھکانے کی دیر ہے

پینے کی دیر ہے نہ پلانے کی دیر ہے
ساقی کی بس نگاہ اُٹھانے کی دیر ہے

پروانے آہی جائیں گے کھنچ کر بہ جبرِ عشق
محفل میں صرف شمع جلانے کی دیر ہے

آنکھوں میں دم ہے آخری ہچکی کا وقت ہے
او بے نیاز! بس ترے آنے کی دیر ہے

خود مضطرب ہیں بادہ و ساغر کی جھلکیاں
ساقی کی سمت ہاتھ بڑھانے کی دیر ہے

وہ بھی تڑپ نہ جائیں تو اس عاشقی پہ خاک
تُجھ سے فقط نگاہ ملانے کی دیر ہے

جامِ شراب، مست گھٹا، مُطرب و بہار
سب آچکے ہیں آپ کے آنے کی دیر ہے

چلمن کی بندشوں میں وہ شاید نہ رُک سکیں
ماہرؔ کے صرف شعر سُنانے کی دیر ہے

کہہ دو کہ نفس کی بھی نہ نکلے کوئی آواز
اس وقت تصور میں ہے اک شاہدِ طناز
کیا جانیئے! کیا چیز ہے وہ شوخ فسوں ساز
ہر ناز میں انداز ہے ہر بات میں اعجاز
میں اور مجسم نگہِ شوق و تمنّا
وہ اور فقط ایک نگاہِ غلط انداز
دنیا ہے کہ دیوانۂ انجامِ محبت
اور عشق حقیقت میں ہے آغاز ہی آغاز
کیا حکم ہے اے جذبۂ بے تابِ پرستش
بت خانہ کا در بند ہے مے خانہ کا در باز
یہ شبنم و خورشید کی دلچسپ کشاکش
دیکھو تو فقط کھیل ہے سمجھو تو اک آواز

یہ عالمِ ہستی ارے توبہ! ارے توبہ!
ہر چیز یہاں راز ہے، غم راز، خوشی راز
یہ کس نے نقابِ رخِ پُر نور الٹ دی
ششدر نظر آتا ہے جو ماہر سا نظر باز

وہ ترے حال سے غافل دل ناشاد نہیں
وہ یہ کہتے ہیں مجھے فرصتِ بیداد نہیں
مسکراتے ہوئے پھولوں نے کہا شبنم سے
فطرتِ غم سے یہاں کوئی بھی آزاد نہیں
میں کہ خود اپنی جگہ پر بھی نہیں ہوں موجود
وہ کہ ہر جا ہیں ولیکن کہیں آباد نہیں
میری ہر بات پہ چہرہ متغیّر کیوں ہے
تم تو کہتے تھے کوئی بات مجھے یاد نہیں
جانے! کیا اُس کی نگاہوں نے فسوں پھونک دیا
دل کسی طرح بھی آمادۂ فریاد نہیں

میں تڑپتا ہوں فقط لُطف کی خاطر ماہر
وہ سمجھتے ہیں کہ دل تشنۂ بیداد نہیں

در حقیقت انقلابِ زندگی اعجاز ہے
ذرہ ذرہ خاکِ ہستی کا جہانِ راز ہے
انتہائے دردِ دل ہے ابتدائے آرزو
موت کہتے ہیں جسے وہ عشق کا آغاز ہے
ہو چکی بیمارِ الفت کو تسلی ہو چکی
ایک دُزدیدہ نظر وہ بھی غلط انداز ہے
آپ نے جو کچھ کیا اچھا کیا میں کیا کہوں
فیصلہ دنیا کرے گی کون دنیاساز ہے
بے نشانی کا یہ عالم ہے نشاں ملتا نہیں
ہستیٔ موہُوم گویا دُور کی آواز ہے
اُف! وہ دردِ دل مداوا جس کا ہو سکتا نہیں
ہائے! وہ بیمار جس کا درد چارہ ساز ہے

ڈر رہا ہوں حسن و الفت میں تصادم ہو نہ جائے
سامنے نظروں کے ماہر اک سراپا ناز ہے

ترے سجدے میں ہم نے اپنی پیشانی جہاں رکھ دی
تجلی نے تری واں وسعتِ کون و مکاں رکھ دی

✓ خبر ہے تجھ کو اے بادِ بہاری دردمندوں کی
گلوں نے پیاس کی شدت سے کانٹوں پر زباں رکھ دی

چمن میں میرے ہی تنکوں پہ ہر بجلی کی نظریں ہیں
مری قسمت کہ پھر میں نے بنائے آشیاں رکھ دی

یہ ویرانہ یہ سناٹا یہ وحشت خیز خاموشی
عزیزوں نے مری میت کو کیا سمجھا کہاں رکھ دی

مرے دل کی ہر اک رگ خونچکاں معلوم ہوتی ہے
تمناؤں کی دُنیا گلستاں معلوم ہوتی ہے

قیامت آ نہ جائے رات کے او جاگنے والے!
تری ہر سانس لبریزِ فغاں معلوم ہوتی ہے

بھڑک اے شمع کشتہ! اور نگاہِ جستجو بن جا
مری تربت کسی کو بے نشاں معلوم ہوتی ہے

فغاں ٹوٹے ہوئے دل کی جسے تم کھیل سمجھے ہو
مجھے وابستۂ نظمِ جہاں معلوم ہوتی ہے

جو سُن لیتے تو کیا تھا مختصر سی شرحِ بربادی
مگر تم کو تو وہ اک داستاں معلوم ہوتی ہے

مری میت پہ وہ میری وفائیں یاد کرتے ہیں
خموشی بھی مری جادو بیاں معلوم ہوتی ہے

تبسم ریز ہیں کلیاں خیابانِ فصاحت کی
زمینِ شعرِ ماہر گلفشاں معلوم ہوتی ہے

شبِ وعدہ وہ اب تک آ رہے ہیں
ستارے ہیں کہ ڈوبے جا رہے ہیں

مریضِ غم میں باقی کیا رہا ہے!
وہ اب تکلیف کیوں فرما رہے ہیں

کوئی سمجھا کرم، کوئی توجہ
عجب انداز سے شرما رہے ہیں
عتاب آمیز رخساروں پہ گیسو
ہواؤں سے اُلجھتے جا رہے ہیں
مُجھے ڈر ہے نہ تو یہ ٹوٹ جائے
کہ بادل مُجھ کو پھر بہکا رہے ہیں
محبت کا ہے یہ آغاز ماہر
ابھی سے آپ کیوں گھبرا رہے ہیں

خوفِ غم، آرزوئے راحت ہے
یہ محبت نہیں تجارت ہے
آرزوؤں کی اتنی کثرت ہے
زندگی کیا ہے اک مصیبت ہے
حُسن کو عشق کی ضرورت ہے
یہ فسانہ نہیں حقیقت ہے

تیرے ہوتے ہوئے غمِ جاناں
اور کس چیز کی ضرورت ہے
کیا خوشی اس کو راس آئے گی
دل تو پروردۂ مصیبت ہے
دل پہ کیا کیا گزر گئی مت پوچھ!
جی رہا ہوں یہی غنیمت ہے
ہر نفس میں ہے یادِ دوست کا رنگ
یہ تو دوری نہیں ہے قربت ہے
ہوشیار اے نگاہِ سادہ مزاج!
اُس کا جلوہ طلسمِ حیرت ہے
آپ کا حکم ہو تو عرض کروں
کیا مجھے آہ کی اجازت ہے
اُس نے غم دے کے مجھ سے فرمایا
یہ مری آخری عنایت ہے

ہم وطن کو بھی جا کے دیکھ آئے
وہی رنگِ سوادِ غربت ہے
کاش! ناصح کو بھی خبر ہوتی
عشق تو آدمی کی فطرت ہے
تیرے شعروں میں یہ اثر! ماہر
اُن نگاہوں کا فیضِ صحبت ہے

دردِ الفت کو بہ ہر صورت چھپانا چاہیئے
زخم کھا کر بھی خوشی سے مسکرانا چاہیئے
دردمندوں کو مصیبت سے چھڑانا چاہیئے
آدمی کو آدمی کے کام آنا چاہیئے
مسکرا کر ہر قدم آگے بڑھانا چاہیئے
پیچ و خم سے راہ کے گھبرا نہ جانا چاہیئے
غم کے طوفانوں میں کب سے لے رہا ہے کروٹیں
وہ سفینہ جس کو اب تک ڈوب جانا چاہیئے

میری پیشانی ہو کیوں آلودۂ دیر و حرم
میرے سجدوں کو تمھارا آستانہ چاہیے

یہ تو اک پردہ ہے درد و غم چھپانے کے لیے
تم کو میری مسکراہٹ پر نہ جانا چاہیے

کون لا سکتا ہے تابِ جلوۂ دیدارِ دوست
اس لیے مجھ پر نوازش غائبانہ چاہیے

آج اشکِ خوں میں ہے اُن کے تصور کی جھلک
اب تو میری شامِ غم کو جگمگانا چاہیے

سیکڑوں مفہوم رکھتی ہے وہ چشمِ التفات
دیکھنے والوں کو دھوکے میں نہ آنا چاہیے

حضرت ماہرؔ یہ عشرت خانۂ بنگلور[1] ہے
اس جگہ ہر گام پر دامن بچانا چاہیے

[1] بنگلور جنوبی ہند کی جنت ہے، ایک مشاعرے کی صدارت کے سلسلے میں وہاں جانے کا اتفاق ہوگیا اور نگاہوں نے بہت سے رنگین مناظر دیکھے
ماہر

یورش ہے درد و غم کی دلِ داغدار پر
آجاؤ اب بھی ہے مری دنیا بہار پر

زاہد تری نماز کا انداز ہائے! ہائے!
احسان جیسے کر دیا پروردگار پر

اس نے متاعِ دردِ محبت بھی سونپ دی
یہ اعتماد تھا مری مشتِ غبار پر

وہ چشمِ مست اور توجہ خدا کی شان!
اب میری زندگی کا نشہ ہے اُتار پر

اُس چشمِ التفات نے برباد کر دیا
چلنا پڑا ہے تیغِ محبت کی دھار پر

ماہرؔ نفس نفس ہے سلام و پیامِ دوست
قُربان سو وصال غمِ انتظار پر

کب ترا مجھ کو تصورِ سحر و شام نہ تھا
جیسے دنیا میں کوئی اور مجھے کام نہ تھا

آہ! وہ لب جو تمنا کے لیئے کھل نہ سکے
ہائے! وہ آنکھ کہ جس میں کوئی پیغام نہ تھا

موسمِ گل نے اسیری کی بنا ڈالی ہے
جب خزاں تھی کوئی طائر بھی تہہ دام نہ تھا

وہ جو آیا تو نگاہیں مری تیار نہ تھیں
جب نگاہوں کو اُٹھایا وہ لبِ بام نہ تھا

ایک رُکتی ہوئی فریاد کا مجرم ہوں میں
وہ تو یہ خیر ہوئی لب پہ ترا نام نہ تھا

اے اجل! تیری مسیحائی کا قایل ہوں میں
اس سے پہلے کبھی بیمار کو آرام نہ تھا

کس کو دنیا میں مسرت نہ ہوئی رنج کے بعد
ایک مجھ پہ اثرِ گردشِ ایام نہ تھا

آج تک کیف ہے اُس دن سے مسلسل ماہرؔ
چشمِ ساقی تھی کوئی بادۂ گلفام نہ تھا

کتنا مصروفِ ضبطِ آہ میں ہے
دل ابھی قیدِ رسم و راہ میں ہے

ماہ و انجم پہ کیا نظر ڈالوں
تیرا جلوہ مری نگاہ میں ہے

رحمتِ بے پناہ کی سوگند
زندگی کا مزہ گناہ میں ہے

سب چلے جا رہے ہیں سوئے عدم
کوئی منزل پہ کوئی راہ میں ہے

رات کوئے بتاں میں تھا ماہرؔ
آج وہ صحن خانقاہ میں ہے

نشاط و کیف کا عالم زمیں سے آسماں تک ہے
خدا معلوم! تیرے حُسن کی دنیا کہاں تک ہے

محبت کو خیالِ ماسوا چھُو بھی نہیں سکتا
ہوس کی جادہ پیمائی فقط سُود و زیاں تک ہے

یہی طوفاں مجھے آسودۂ ساحل بنائے گا
تلاطم میری کشتی کا شکستِ بادباں تک ہے

وہ اک جذبہ ہوس کا ہے محبت ہو نہیں سکتی
تعلق صرف جس کا اتصالِ جسم و جاں تک ہے

تمھارے حسن سے قوسِ قزح کی رنگ آرائی
تمھارے نور سے روشن جبینِ کہکشاں تک ہے

چلو اے میگسارو! مے کشی کا وقت آ پہنچا
مُغنّی ہے گھٹا چھائی ہے، جامِ ارغواں تک ہے

کوئی بچھڑے ہوؤں کی بات بھی سنتا نہیں ماہرؔ
جرس کی مہربانی کارواں سے کارواں تک ہے

نظارے کے قابل اب جوشِ بادہ پرستی ہے
میں ہوں چشمِ ساقی ہے اور فضائے مستی ہے
عکسِ چشمِ ساقی کو جام و مینا کہتے ہیں
مے خانہ کا مے خانہ ایک فریبِ مستی ہے

دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا عشق و ہوس کا فرق نہ پوچھ!

میں دنیا پر ہنستا ہوں، دنیا مجھ پر ہنستی ہے

ہوش و خرد کا ذکر نہ کر، صبر و سکوں کا نام نہ لے

عشق مکمل حیرت ہے، حُسن سراپا مستی ہے

ہو کا عالم، سناٹا، ہر منظر عبرت بر دوش

میرے دل کی دنیا بھی، کیسی اُجڑی بستی ہے

جس کو دیکھو سرگرداں، جس کو پاؤ سودائی

دُنیا جس کو کہتے ہیں دیوانوں کی بستی ہے

سود و زیاں کا خطرہ بھی دیکھ نہ دل میں آنے پائے

عشق کے مذہب میں ماؔہر یہ تو شرک پرستی ہے

(۷)

وہی کچھ دہر میں رازِ نظامِ دل سمجھتے ہیں

جو تیرے عشق کو کونین کا حاصل سمجھتے ہیں

ہمیں دیر و حرم کی سمت جانے کی ضرورت کیا
کہ ہم ایک ایک ذرے کو تری منزل سمجھتے ہیں

مری جانب کبھی بھولے سے بھی نظریں نہیں اٹھتیں
وہ مجھ کو التفاتِ خاص کے قابل سمجھتے ہیں

ملا ہم کو صلہ یہ بحرِ غم سے آشنائی کا
جسے طوفاں سمجھتے تھے اُسے ساحل سمجھتے ہیں

کہاں یہ ناتواں دل اور کہاں وہ جورِ بے پایاں
یہ اُن کی مہربانی ہے جو اِس قابل سمجھتے ہیں

محبت پر مدارِ ہستئ کونین ہے ماہرؔ
یہ وہ نکتہ ہے جس کو صاحبانِ دل سمجھتے ہیں

ہر نفس پیغامِ بربادی ہے انساں کے لئے
نبض کی ہر موج ہے نشتر رگِ جاں کے لئے

زندگی دی ہی گئی تھی کشمکش کے واسطے
دل بنایا ہی گیا تھا سوزِ پنہاں کے لئے

اپنے اندازِ کرم کی مجھ سے تاویلیں نہ کر
یہ بھی اک تقریب تھی جورِ فراواں کے لیئے

کچھ نہ پا کر بھی سمجھتا ہے کہ سب کچھ پا لیا
زندگی سب سے بڑا دھوکا ہے انساں کے لیئے

پھول ذرے کہکشاں، تارے، شفق، قوسِ قزح
نذر لائے ہیں ترے حسنِ فراواں کے لیئے

اے مرے حُسنِ عقیدت، اے مرے نورِ یقیں!
کفر کی بھی اک جھلک تکمیلِ ایماں کے لیئے

رہ گئی ہے دولتِ ایمان و دیں ماہرؔ کے پاس
یہ بھی حاضر ہے نگاہِ کفر ساماں کے لیئے

سفاک نے بیداد کی پھر داد نہ چاہی
یہ مجھ پہ ستم اے ناکردہ گناہی

ہر برق کے دامن میں ہے قسمت کی سیاہی
آنے ہی کو ہے میرے نشیمن پہ تباہی

صدقے ترے اسرار، اوامر کے بتائے
قربان ترے دی مجھے توفیق نواہی
ہر ذرہ ترے نور کا اقرارِ مجسم
ہر پھول ترے حُسن کی دیتا ہے گواہی

دیکھنا یہ کون بے پردہ نمایاں ہو گیا
ایک عالم بے نیازِ کفر و ایماں ہو گیا
آج اپنے کبر پر زاہد پشیماں ہو گیا
زہد نے اتنی ترقی کی کہ عصیاں ہو گیا
اُس کی برگشتہ نصیبی پر کہاں تک روئیے
وہ گلستاں جو بہار آتے ہی ویراں ہو گیا
رحم کر اے مژدۂ وہمِ مسرت رحم کر!
دیکھتا ہوں غم کا شیرازہ پریشاں ہو گیا
پھر کوئی نکلا ہے گھر سے لے کے دنیائے شباب
پھر کسی کم بخت کے مٹنے کا ساماں ہو گیا

کھل ہی جاتا ایک دن تیری مسیحائی کا راز
وہ تو یہ کہیے کہ غم کا نام درماں ہو گیا

بحرِ وحدت سے اُٹھی تھی ایک بے تابانہ موج
عالمِ کثرت میں جس کا نام انساں ہو گیا

ٹھوکروں ہی ٹھوکروں میں پا گئے منزل کو ہم
مشکلوں ہی مشکلوں میں کام آساں ہو گیا

آج کچھ اُس دھن میں چھیڑا ہیں نے ماہرِ سازِ عشق
ذرہ ذرہ خاکِ ہستی کا غزل خواں ہو گیا

ہم دردِ محبت کا فسانہ جو سُنائیں
بے چین ہوں کونین کی خاموش فضائیں

مجموعۂ اضداد ہیں سب اُن کی ادائیں
پردہ بھی کریں اور تصوّر میں بھی آئیں

ہر حال میں اچھی ہیں تغافل سے جفائیں
یعنی یہ غرض ہے وہ مجھے بھول نہ جائیں

کیا جانیئے! کیا ہیں بتِ کافر کی جفائیں
کرتا ہوں جو فریاد نکلتی ہیں دعائیں

اب ذکر ہی کیا ہے دلِ پامالِ جفا کا
للہ! وہ سوئے ہوئے فتنے نہ جگائیں

شاید دلِ مضطر پہ کوئی سخت گھڑی ہے
سنتا ہوں بڑی دیر سے غمناک صدائیں

ہر ذرہ سے ہوں طور کے انوار نمایاں
دوں آتشِ دل کو جو قرینہ سے ہوائیں

ساقی کی نگاہوں کا پرستار نہ چونکا
دیں قلقلِ مینا نے صداؤں پہ صدائیں

جنت میں بھی تڑپائیں گی ماہر مرے دل کو
یہ کنجِ قفس اور یہ ساون کی گھٹائیں

تجھے اک نظر دیکھنا چاہتا ہوں
میں اس کے سوا اور کیا چاہتا ہوں

وفاؤں کے بدلے جفا چاہتا ہوں
میں کیا چاہتا تھا، میں کیا چاہتا ہوں
محبت کی پھر ابتدا چاہتا ہوں
خدا مجھ کو سمجھے میں کیا چاہتا ہوں
کرم کی ضرورت ہے مجھ کو ولیکن
بہ عنوانِ جور و جفا چاہتا ہوں
مصائب کی بارش، بلاؤں کی یورش
بہ مقدارِ صبر و رضا چاہتا ہوں
گناہِ محبّت کا مجرم ہوں مجرم
میں اپنے کیئے کی سزا چاہتا ہوں
جہاں اک جہانِ تجلّی ہو ماہر
محبت کی ایسی فضا چاہتا ہوں

نگاہِ مست کو مصروفِ ناز رہنے دے
کچھ اور روز مجھے پاکباز رہنے دے

علاجِ دردِ مرے چارہ ساز رہنے دے
کہ یہ خلش ہے بڑی دلنواز رہنے دے

جو فاش ہو نہ سکے اس کو فاش کر کے چھوڑ
جو راز رہ نہ سکے اس کو راز رہنے دے

لطافتِ غمِ الفت کا واسطہ اے دوست!
حیات و موت میں کچھ امتیاز رہنے دے

نگاہِ یار! تجھے جورِ بے سبب کی قسم
نوازشِ غمِ پنہاں کو راز رہنے دے

مرے خیال کو ہر دم تری ضرورت ہے
تصورات کو زینت طراز رہنے دے

زمانہ بھر میں کوئی غزنوی نہاد نہیں
حدیثِ طرۂ زلفِ ایاز رہنے دے

حیاتِ گلشنِ مغرب تجھے مبارک ہو
مجھے شہیدِ فضائے حجاز رہنے دے

حدیثِ دردِ محبت نہ کر بیاں ماہرؔ
حقیقتوں کو اسیرِ مجاز رہنے دے

جو نظر کامیاب ہوتی ہے
آپ اپنا جواب ہوتی ہے

زندگی جب عذاب ہوتی ہے
عاشقی کامیاب ہوتی ہے

تیرے آگے لطافتِ شبنم
شرم سے آب آب ہوتی ہے

روکیئے اپنی مست نظروں کو
ساری دنیا خراب ہوتی ہے

جس صراحی کو چھو لیا تو نے
غیرتِ آفتاب ہوتی ہے

یوں نہ موجوں سے کھیل اے غافل!
زندگانی حباب ہوتی ہے

اُس چمن کی بہار کیا کہنا!

پنکھڑی بھی گلاب ہوتی ہے

تجھ سے ظالم کو پیار کرتا ہے

جس کی قسمت خراب ہوتی ہے

بڑھتے جاتے ہیں اُن کے رخ کے نقاب

ہر نظر اک حجاب ہوتی ہے

ناز ہے دل کی بیکلی پہ مجھے

شوخیوں کا جواب ہوتی ہے

مست آنکھوں کا دھیان آتا ہے

سامنے جب شراب ہوتی ہے

اُن کے عاشق کی زندگی ماہرؔ

کتنی ناکامیاب ہوتی ہے

وہ عربدہ جُو معصوم ادا قاتل بھی ہے اور قاتل بھی نہیں

دل اُس کی ادائے سادہ کا بسمل بھی ہے اور بسمل بھی نہیں

وعدے پہ نہیں آتا سچ ہے پر یاد تو اس کی آتی ہے
اس جانِ محبت کا وعدہ باطل بھی ہے اور باطل بھی نہیں

دیکھو تو ہر اک سے بیگانہ سمجھو تو کسی کا دیوانہ
دل یار کی بزمِ عشرت میں شامل بھی ہے اور شامل بھی نہیں

ظاہر میں ہر اک شے پر قبضہ، باطن میں نہ ذرہ بھی بس کا
دنیا میں ہماری ہستی کا حاصل بھی ہے اور حاصل بھی نہیں

ہر دل ہے نشیمن، کاشانہ، اس پر بھی تباہ و ویرانہ
اس جانِ جہاں کے جلووں کی منزل بھی ہے اور منزل بھی نہیں

دیوانہ مگر اہلِ عرفاں، تاریک مگر مہرِ تاباں
دل تیری نگاہِ الفت کے قابل بھی ہے اور قابل بھی نہیں

ایقان تذبذب کا زخمی عرفاں کی شعاعیں دھندلی سی
دنیا تری روشن ہستی کی قایل بھی ہے اور قایل بھی نہیں

ہے جذبۂ کامل کے دم تک، نظارے کی یہ فردوس گری
اے قیس! بگولا صحرا کا محمل بھی ہے اور محمل بھی نہیں

عرفانِ خودی ہے عینِ بقا، احساسِ خودی پیغامِ فنا
ہستی مری راہِ الفت میں حایل بھی ہے اور حایل بھی نہیں
جو ڈوب گیا وہ پار اُترا جو سطح پہ تھا وہ تر نہ سکا
دریائے محبت کا ماہر ساحل بھی ہے اور ساحل بھی نہیں

یہ کس کے دل کی کہانی سنائی جاتی ہے
وہ کہہ رہے ہیں مجھے نیند آئی جاتی ہے
نگاہِ شوق پہ حسرت سی چھائی جاتی ہے
اس احتیاط سے چلمن اٹھائی جاتی ہے
شرابِ ناب میں دیکھی نہ برق و انجم میں
وہ چیز جو تری آنکھوں میں پائی جاتی ہے
جو ناگوار ہے اہلِ جہاں کی فطرت کو
مری زباں پہ وہی بات آئی جاتی ہے
یہ شوخیاں یہ جوانی ارے خدا کی پناہ!
قدم قدم پہ قیامت اٹھائی جاتی ہے

مجھے بھی بار ہے اُس بزمِ ناز میں ماؔہر

جہاں نظر سے جوانی لٹائی جاتی ہے

ایک ایک گام پہ دنیا مجھے ٹھکراتی ہے

مجھ کو اس زحمتِ بیجا پہ ہنسی آتی ہے

ذرہ ذرہ سے محبت کی صدا آتی ہے

زیست جب موت کی منزل سے گزر جاتی ہے

آپ کے چاند سے ماتھے پہ پسینہ کیوں ہے

کیا مرے دل کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے

اللہ اللہ! ترے دردِ محبت کا فروغ

زندگی، موت کے سانچے میں ڈھلی جاتی ہے

دیکھ کر آپ کی ان شوخ اداؤں کا سماں

نگہۂ شوق بھی گستاخ ہوئی جاتی ہے

او مرے ہاتھ سے دامن کو چھڑانے والے

دل کی دنیا مری ویران ہوئی جاتی ہے

دیکھ کر سوئے فلک آپ جو ہنس دیتے ہیں
چاندنی آپ کے قدموں پہ جھکی جاتی ہے
آپ ماہرؔ کی کسی بات کی پروا نہ کریں
وہ اک آزاد منش رندِ خراباتی ہے

تخییل ہے پریشاں، ناکام ہے ارادہ
غم دلنواز نکلا، امید سے زیادہ
الفت کی زندگی کا اللہ ہے نگہباں!
اُمید شوخ فطرت، دل کا مزاج سادہ
گلزار کی روش پر تاروں کی روشنی میں
وہ چہرۂ گلابی اُس پر فروغِ بادہ
بجلی کی تابشیں ہوں یا موجِ مے کی مستی
ان کی نظر سے دنیا کرتی ہے استفادہ
یہ کون حشر ساماں رُک رُک کے چل رہا ہے
غلطاں ہے گردِ منزل، لرزاں ہے نبضِ جادہ

ماہرؔ تمھاری باتیں دنیا سے ہیں نرالی
جینے کی آرزو میں مرنے کا ہے ارادہ

اعتبارِ بندگی کو تا بکے رُسوا کریں
آؤ اُن کے آستاں پر آخری سجدا[1] کریں

اُن کے بیمارِ محبت کا ہی کو شکوا کریں
وہ اگر تھوڑی سی بھی تکلیف فرمایا کریں

تا کجا یہ گردشِ شام و سحر دیکھا کریں
اے نگاہِ شوق! اک دنیا نئی پیدا کریں

اپنا یہ مقدور ہی کب ہے تجھے رُسوا کریں
درد آنسو بن کے ظاہر ہو تو اس کو کیا کریں

آہ پر خفگی مناسب، اشک پر طعنے بجا
کاش! وہ بے تابیٔ دل کا بھی اندازا[2] کریں

جذبۂ منصور تو اپنا فسانہ کہہ گیا
اب اُسے اہلِ جہاں جس طرح بھی سمجھا کریں

[1] سجدہ
[2] اندازہ

عشق میں اُن کی نوازش کا سہارا کیا ضرور
ڈوبنا ٹھہرا تو ساحل کی تمنّا کیا کریں

صبح ہوتے ہی نہ جانے کون دیتا ہے پیام
اوس کی بوندیں کرن میں جذب ہو جایا کریں

کاش اب اس سلسلہ کی لے نہ ٹوٹے حشر تک
میرے خط جایا کریں اُن کے پیام آیا کریں

اُن کی چشمِ مست پر ہے بھیجنا واجب درود
میکدوں میں مغبچے جب جام چھلکایا کریں

سب کی آنکھوں سے چھپا کر آؤ سب کچھ دیکھ لیں
چشمِ نرگس بن کے اس دنیا کا نظّارا کریں

اے مرے جوشِ جنوں! اب اور کوئی مشغلہ
دامنوں کی دھجیوں سے کب تلک کھیلا کریں

حضرت ناصح! محبت نشۂ صہبا نہیں
آپ سمجھاتے ہیں ماہر کو تو سمجھایا کریں

بارہا تیری نوازش نے جسے تھام لیا
اُس نے کچھ سوچ کے پھر آج ترا نام لیا

دیکھ کر اُس کی پشیمان نگاہیں سرِ حشر
میں نے خود اپنے ہی سر قتل کا الزام لیا

نبضِ دل ڈوبتی جاتی ہے طبیعت ہے نڈھال
مجھ سے پھر دردِ محبت نے کوئی کام لیا

چل چکا تھا مے گلرنگ کا مجھ پر جادو
آپ کی مست نگاہوں نے مگر تھام لیا

ہر کوئی اپنی جگہ ایک نئی دھن میں ہے
آپ نے حُسنِ تغافل سے بڑا کام لیا

داغِ دل، سوزِ جگر، خونِ وفا، دردِ فراق
درگہِ حُسن سے ہر بار کچھ انعام لیا

آج کیا ایسی نئی بات ہے ماہر تم نے
کانپتے ہاتھ سے جامِ مئے گلفام لیا

جس سے تری آنکھ جا لڑی ہے

اُس کے لیۓ نزع ہر گھڑی ہے

ہر شاخ ترے لیۓ چمن میں

پھولوں سے لدی ہوئی کھڑی ہے

جب اس نے چھوا ہے جام و مینا

مستی کی گھٹا برس پڑی ہے

ظالم! ترا تازیانۂ جور

میرے لیۓ پھول کی چھڑی ہے

ماہر سے جدا وہ ہو رہے ہیں

شاید یہی نزع کی گھڑی ہے

یہ کیوں کہوں کہ لگی آگ آشیانے کو

کیا ہے برق نے روشن سیاہ خانے کو

"شراب، نغمہ، جوانی، گھٹائیں، موسمِ گل"

صدائیں دو مرے گزرے ہوئے زمانے کو

بھرے چمن میں بس اک اوس وقف ماتم ہے
سمجھ رہی ہے جو کلیوں کے مُسکرانے کو

یہ روز روز کی مشقِ سجود ختم تو ہو
جبیں میں جذب ہی کر لوں نہ آستانے کو

قفس میں بھی نہ کہیں بجلیوں کی یورش ہو
بنا رہا ہوں، تصور میں آشیانے کو

یہ بیخودی ہے تری مست انکھڑیوں کی قسم
کہ رند بھول گئے ہیں شراب خانے کو

گزر رہی ہے کچھ اس ڈھب سے زندگی ماہر
کہ جیسے میری ضرورت نہیں زمانے کو

ہر جا وہی سرگرمِ تجلی تو نہیں ہے
فانوسِ حرم شمعِ کلیسا تو نہیں ہے

میں محوِ خودی ہوں کہیں ایسا تو نہیں ہے
اپنے پہ مجھے یار کا دھوکا تو نہیں ہے

یہ حُسنِ لطافت کا کرشما تو نہیں ہے
خود میری نظرِ یار کا جلوا[1] تو نہیں ہے

خوش ہوں کہ مجھے فکرِ مداوا تو نہیں ہے
صد شکر وہ قاتل ہے مسیحا تو نہیں ہے

وہ اور مرے واسطے تکلیفِ تجلّی
کیوں! اے نگہہِ شوق یہ دھوکا تو نہیں ہے

اللہ رے! ترا موجِ صبا عالمِ مستی
کلیوں کی چٹک قلقلِ مینا تو نہیں ہے

اے حُسنِ ازل! رحم یہ کیا دیکھ رہا ہوں
مقصود مرا جنتِ ماوٰی تو نہیں ہے

بے تاب ہیں سجدے مرے ہر خطِ جبیں میں
یاں تیرا کہیں نقشِ کفِ پا تو نہیں ہے

تدبیر کو رسوا نہ کر اے حُسنِ مقدر!
منشا ہے ترا میرا ارادا[2] تو نہیں ہے

[1] جلوہ
[2] ارادہ

مانا کہ کوئی بات نہیں حسبِ تمنا
مجھ کو روشِ دوست کا شکوا تو نہیں ہے

کونین کو پھر زیر و زبر دیکھ رہا ہوں
پھر ضبط کا ساغر کہیں چھلکا تو نہیں ہے

ہاں! ماہرِ ناشاد سے کچھ تم نے کہا تھا
تم بھول گئے ہو کہیں ایسا تو نہیں ہے

اپنی ہستی کا جو حاصل کہیں عرفاں ہو جائے
ہر حقیقت دلِ انساں پہ نمایاں ہو جائے

تیرا بیمار اگر چھوڑ دے دامانِ شکیب
آج شیرازۂ کونین پریشاں ہو جائے

کچھ تو ہو جائے ترے ذوقِ جفا کی تکمیل
جسم کا جسم محبت میں رگِ جاں ہو جائے

ضبطِ الفت میں ہے ایمان مگر کیا کیجیے
جو مرے دل میں ہے آنکھوں سے نمایاں ہو جائے

آنکھوں آنکھوں میں پلا دے مجھے صہبائے وصال

پردے پردے میں علاجِ غمِ پنہاں ہو جائے

ہم بھی ایمان کی دولت کو لیئے بیٹھے ہیں

اِس طرف بھی کوئی غارت گرِ ایماں ہو جائے

بھید کھُل جائے بقا کا جو کہیں اے ماؔہر

آدمی موت پہ سو جان سے قرباں ہو جائے

اصول کے فریب کیوں ضوابط و قیود کیا

نمازِ عشق کے لیے رکوع کیا سجود کیا

ہوس کی خامیوں کے یہ فراق و وصل نام ہیں

اگر کمالِ عشق ہے تو غیب کیا شہود کیا

نمائشِ جہاں نہیں طلسم طلسم ہے

عروج کیا، زوال کیا، ہبوط کیا صعود کیا

تلوّنِ جمال کی عیاں ہیں چند صورتیں

وگرنا کائنات کی اساس کیا، نمود کیا

ہوس پرست کیا کہا مآلِ عشق یاس ہے
سرور و غم سے کیا غرض، یہاں زیان و سود کیا

ثباتِ عشق کی قسم فریب ہے فریب ہے
وجودِ دہر کچھ نہیں، نمودِ ہست و بود کیا

حیاتِ ماہرِ حزیں رہینِ دردِ عشق ہے
وگرنہ مُشتِ خاک کی بساط کیا، نمود کیا

وہ آ رہا ہے کیف کی جنت لئے ہوئے
ہر جنبشِ نگاہ میں عشرت لئے ہوئے

میں ہوں وہ نقش جس کو مٹایا ہے دہر نے
دنیا ہے میرے خون کی تہمت لئے ہوئے

پھرتی ہے تیری یاد بھی کس کس مزے کے ساتھ
دل کی رگوں میں نشترِ الفت لئے ہوئے

آیا ہوں بھیک مانگنے اے ساکنانِ دہر!
کیا ہے کوئی سکون کی دولت لئے ہوئے

ہاں! مست انکھڑیوں کی قسم تجھ کو آ بھی جا
آنکھوں میں پھر شرابِ محبت لیئے ہوئے

محشر میں شانِ عفو کی دلچسپیاں نہ پوچھ!
زاہد بھی ہے گناہ کی حسرت لیئے ہوئے

اے جبرِ دوست! لغزشِ ماہر سے درگزر
آیا ہوں اختیار کی تہمت لیئے ہوئے

ہئیتِ حُسن کو بدل چشمِ خیال میں بھی آ
زینتِ لامکاں نہ بن، بزمِ مثال میں بھی آ

گرمیٔ ناز الاماں! وہم کے پر بھی جل اُٹھیں
شانِ جلال سے گزر، شکلِ جمال میں بھی آ

تجھ کو جمالِ مُستترؔ[1]، حبلِ ورید کی قسم
قیدِ حجاب توڑ دے، صورتِ حال میں بھی آ

دشتِ طلب میں سیکڑوں قیس ہیں تیرے منتظر
لیلیٔ بے حجاب بن، چشمِ غزال میں بھی آ

[1] پوشیدہ

نغمۂ حشرزا سُنا، آتشِ دل کو دے ہوا

توڑ سکونِ کائنات، عالمِ قال میں بھی آ

ماہرِ خستہ جاں کو دیکھ، سختیٔ آسماں کو دیکھ

رنج و ملال دور کر، فکرِ مآل میں بھی آ

نالہ ہم رنگِ تکلّم مری آواز میں ہے

یعنی اب تک غمِ الفت کی خلش راز میں ہے

بے قراری ہی سے پایا ہے تلوّن نے فروغ

عشق کی جلوہ گری حسن کے انداز میں ہے

کاش سمجھے کوئی کلیوں کی چٹک کا مفہوم

یہ بھی اک "لے" ہے جو شامل تری آواز میں ہے

ہمتِ اہلِ نظر پست ہوئی جاتی ہے

بے نیازی کا وہ عالم نگہِ ناز میں ہے

رحم کر رحم! زمانہ یہ مرے دل کو نہ چھیڑ

حشر اک پردہ اسی ٹوٹے ہوئے ساز میں ہے

طالبانِ کرمِ یار جفا پر مٹ جائیں

وہ تو یہ کہیئے کہ مفہومِ کرم رازمیں ہے

اُس تصور سے عبارت ہے حیاتِ ماہرؔ

جو تصور کہ تری انجمنِ ناز میں ہے

مستی نواز شوخیٔ اندازِ کافرانہ

زلفیں سیہ گھٹائیں آنکھیں شراب خانہ

اب اس سے چاہتا ہے پھر اور کیا زمانہ

جس نے لُٹا دیا ہے امید کا خزانہ

پُوچھو نہ ہم نشینو! مجھ سے مرا فسانہ

جلتا رہا نشیمن، دیکھا کیا زمانہ

کس دُھن میں گا رہی ہے او زندگی ترانہ

آواز دے رہا ہے گزرا ہوا زمانہ

ساقی تری نظر کا اللہ رے! فسانہ

ساغر میں آگیا ہے کھنچ کر شراب خانہ

نقشِ قدم پہ ساری دُنیا جھکی ہوئی ہے

ظالم تری خدائی، کافر ترا زمانہ

آ اے نگارِ فطرت روح و روانِ فطرت

سُونا پڑا ہوا ہے دل کا نگار خانہ

اک تربتِ شکستہ نظروں کے سامنے ہے

وہ یاد کر رہے ہیں بھولا ہوا فسانہ

سجدوں کا واسطہ بھی حایل نہیں رہا ہے

اب میں ہوں اور تم ہو سر ہے نہ آستانہ

اب آندھیوں کے جھونکے اُس کو اڑا رہے ہیں

پھولوں میں تل رہا تھا کل تک جو آشیانہ

چھٹتے ہی پھر قفس سے، لایا گیا قفس میں

مُجھ کو نہ راس آیا گلشن کا آب و دانہ

اللہ رے! چمن کا زینت طراز منظر

شاخوں کی ڈوریاں ہیں، پھولوں کا شامیانہ

اک دل بھی آج قایم، اپنی جگہ نہیں ہے
ممکن ہے چوک جائے قاتل ترا نشانہ
مِل جائے مجھ کو ماہرؔ اے کاش، زندگی میں
اِک جذبِ والہانہ، اِک سوزِ عارفانہ

وہ ہنس ہنس کے وعدے کیئے جا رہے ہیں
فریبِ تمنا دیئے جا رہے ہیں
ترا نام لے کر جیئے جا رہے ہیں
گناہِ محبت کیئے جا رہے ہیں
مرے زخمِ دل کا مقدّر تو دیکھو
نگاہوں سے ٹانکے دیئے جا رہے ہیں
نہیں دل میں باقی سکت ضبطِ غم کی
مگر آنسوؤں کو پیئے جا رہے ہیں
مرے شوقِ دیدار کا حال سُن کر
قیامت کے وعدے کیئے جا رہے ہیں

دھڑکتے ہوئے دل کے پردے میں چھپ کر
پیامِ محبت دیئے جا رہے ہیں
حریمِ تجلّی میں ذوقِ نظر ہے
نگاہوں سے سجدے کیئے جا رہے ہیں
نہ کالی گھٹائیں، نہ پھولوں کا موسم
مگر پینے والے پیئے جا رہے ہیں
تری محفلِ ناز سے اُٹھنے والے!
نگاہوں میں تجھ کو لیئے جا رہے ہیں
ابھی ہے اسیری کا آغاز ماہر
ابھی تو فقط پَر سیئے جا رہے ہیں

ہر سر ہے تیری زلف کا سودا لیئے ہوئے
صبحِ حرم ہے، شامِ کلیسا لیئے ہوئے
میری نگاہِ عجز تماشا لیئے ہوئے
وہ ہر نظر میں طور کا جلوا لیئے ہوئے

بیمارِ ہجر نیند قیامت کی سو گیا
آنکھوں میں انتظار کی دُنیا لیے ہوئے

او صاحبِ نظر! نگہ یک نگر سے دیکھ
قطرہ بھی ہے حقیقتِ دریا لیے ہوئے

آیا ہوں آج میں بھی تری جلوہ گاہ میں
دُھندلا سا ایک نقشِ تمنا لیے ہوئے

او بے وفا فریب! اور ایسا کھلا فریب
وعدے ہیں اعتبار کی دنیا لیے ہوئے

اے دوست! چاکِ دامنِ یوسف کا واسطہ
آجا کبھی تو دستِ زلیخا لیے ہوئے

ساقی کی چشمِ مست نے پھر لڑ کھڑا دیا
اُٹھا تھا لغزشوں کا سہارا لیے ہوئے

ماہر ہے اُس کے سامنے کعبہ بھی سجدہ ریز
جو دل ہے عکسِ گنبدِ خضرا لیے ہوئے

فضا نشاط کی پھر دل کو راس آئی ہے
سکوں نے لوٹ لیا درد کی دہائی ہے
لگے ہیں چار طرف، حیرتوں کے آئینے
تری نظر کو بھی شوقِ خود نمائی ہے
نویدِ عیش ہے اُس کے لئے پیامِ اجل
وہ دل کہ جس کو ترے غم سے آشنائی ہے
الٰہی خیر! مرے داغِ آرزو کی خیر
کہ میری زندگی بھر کی یہی کمائی ہے
اصولِ مستیٔ عہدِ شباب ارے توبہ!
کہ معصیت بھی یہاں عین پارسائی ہے
ستم ظریفیٔ قسمت نہ پوچھ اے ماہر
وطن سے وادیٔ غربت میں کھینچ لائی ہے

سفینہ میرا ساحل آشنا معلوم ہوتا ہے
مجھے یہ بھی فریبِ ناخدا معلوم ہوتا ہے

ترے غم کا جہاں تک سلسلہ معلوم ہوتا ہے

وہیں تک میری ہستی کا پتا معلوم ہوتا ہے

نہ پوچھ اے دوست! شامِ غم میں کیا معلوم ہوتا ہے

تمھارا غم طبیعت آشنا معلوم ہوتا ہے

بہ ہر لحظہ بہ ہر ساعت رسوا معلوم ہوتا ہے

تمھارا غم طبیعت آشنا معلوم ہوتا ہے

نفس کی آمد و شد سے پتا معلوم ہوتا ہے

کہ اس پردے میں کوئی دوسرا معلوم ہوتا ہے

امیدیں ٹوٹتی ہیں، ڈوبتی جاتی ہیں نبضیں بھی

دلِ بیتاب کو آرام سا معلوم ہوتا ہے

اسی کے دم سے ہے کونین کی ہنگامہ آرائی

بظاہر عشق بے برگ و نوا معلوم ہوتا ہے

تری شبنم فشاں آنکھوں کا آنسو تیرے دامن پر

ستارہ عرش سے ٹوٹا ہوا معلوم ہوتا ہے

اُسے میرا سکونِ دل گوارا کِس طرح ہو گا
جسے میرا تڑپنا بھی بُرا معلوم ہوتا ہے
حقیقت یہ ہے ماہر سخت کافر رند مشرب ہے
مگر وہ دیکھنے میں پارسا معلوم ہوتا ہے

اوّل اوّل سوز تھی پھر ساز بن کر رہ گئی
دل کی دھڑکن یار کی آواز بن کر رہ گئی
دو قدم چل کر یہ کس نے حشر برپا کر دیا
ساری دُنیا فرش پا انداز بن کر رہ گئی
ہائے! اُس کافر ادا کی وہ نگاہِ التفات
جو مرے حق میں غلط انداز بن کر رہ گئی
داستاں کنجِ قفس کی کیا کہوں کس سے کہوں
میری کوشش حسرتِ پرواز بن کر رہ گئی
دل کی بے تابی کسی صورت نہ پنہاں رہ سکی
مسکراہٹ درد کی غماز بن کر رہ گئی

اس کہانی کے مجھے انجام کا ہے انتظار
وہ کہانی جو فقط آغاز بن کر رہ گئی
کیا بتاؤں عشق نے ماہرؔ مجھے کیا کر دیا
زندگانی راز اندر راز بن کر رہ گئی

اُٹھ کے خوابِ گراں سے آئے ہیں
کیا بتائیں کہاں سے آئے ہیں
دیر و کعبہ پہ کیا نظر ڈالیں
ہم ترے آستاں سے آئے ہیں
نو اسیروں پہ رحم کر صیاد!
یہ ابھی آشیاں سے آئے ہیں
غیر پر بھی ہے کچھ عجیب اثر
وہ بھی کچھ بدگماں سے آئے ہیں
کچھ زمیں پر بپا ہوئے فتنے
اور کچھ آسماں سے آئے ہیں

چند جھونکے قفس کی جانب آج

جانے! کیوں گلستاں سے آئے ہیں

چہرہ بے رنگ، فکر میں غلطاں

آپ ماہر! کہاں سے آئے ہیں

اگر فطرت کا ہر انداز بے باکانہ ہو جائے

ہجوم رنگ و بو سے آدمی دیوانہ ہو جائے

کرم کیسا ستم سے بھی نہ وہ بیگانہ ہو جائے

میں ڈرتا ہوں محبت میں کہیں ایسا نہ ہو جائے

مجھے اُس انجمن میں بار پا کر اب یہ خدشہ ہے

مرا اندازِ بے تابی نہ گستاخانہ ہو جائے

نگاہِ مستِ ساقی اک طلسمِ رنگ و مستی ہے

کہیں پیمانہ بن جائے، کہیں مے خانہ ہو جائے

سمجھ کر ہوش سے بیگانہ ہونا بھی ہے نادانی

وہ عاقل ہے جو بے سمجھے ہوئے دیوانہ ہو جائے

یہاں بھی کچھ نگاہیں تشنۂ دیدار ہیں ساقی!
اِدھر بھی ایک دورِ نرگسِ مستانہ ہو جائے

میں کہتا ہوں نہ تم پیغام بھیجو اپنے آنے کا
اسی دھوکے میں بیمارِ الم اچھا نہ ہو جائے

میں اُس محفل کی تہمت کس طرح آخر اُٹھاؤں گا
خموشی بھی جہاں افسانہ در افسانہ ہو جائے

نقاب اُلٹے ہوئے اک روز گروہ خود چلے آئیں
سیہ خانہ مرا ماہرؔ تجلّی خانہ ہو جائے

اُن کی نگاہِ مست سے مخمور ہو گئے
اتنے ہوئے قریب کہ ہم دُور ہو گئے

آیا شباب اور وہ مغرور ہو گئے
اپنے نشہ میں آپ ہی وہ چُور ہو گئے

کچھ ہم رعبِ حُسن سے جُرأت نہ کر سکے
کچھ وہ بھی پاسِ شرم سے مجبور ہو گئے

ان کے کرم نے داغِ تمنّا عطا کئے
ہم بھی جہاں میں صاحبِ مقدور ہو گئے

اِس دل کے التفات نے غارت کیا مجھے
وہ بے نیاز بن گئے، مغرور ہو گئے

ماہر وہ آئے قسمتِ منزل چمک اُٹھی
ذرے فروغِ نور سے معمور ہو گئے

نظر اُن کی خود ہی جھکی جا رہی ہے
خموشی تکلّم بنی جا رہی ہے

تباہی مُقدر ہوئی جا رہی ہے
بنائے نشیمن رکھی جا رہی ہے

وہ بالیں پہ کیا جانے کیا کہہ گئے ہیں
طبیعت سنبھلتی چلی جا رہی ہے

ازل سے ابد تک بہ عنوانِ الفت
وہی اک کہانی سنی جا رہی ہے

فلک سے برستی ہوئی چاندنی بھی
ترے راستہ میں بچھی جا رہی ہے
کہاں عرش کیسی فضائے تجلّی
نظر اور آگے بڑھی جا رہی ہے
ہجومِ تمنّا سے تنگ آ گیا ہوں
صدا سازِ دل کی دبی جا رہی ہے
گلستاں میں کون آ کے یہ مُسکرایا
کہ پھولوں کی رنگت اُڑی جا رہی ہے
ارے شامِ غم میں فغاں کرنے والے
محبت کی توہین کی جا رہی ہے
خبر بھی ہے انجام کی تم کو ماؔہر
جوانی گزرتی چلی جا رہی ہے
آج تک یاد ہے وہ لذتِ آغاز مجھے
دیکھ اِدھر دیکھ! نگاہِ غلط انداز مجھے

اس طرح دیکھ رہی ہے نگہِ ناز مجھے
جیسے آتے ہی نہیں ضبط کے انداز مجھے
آج تک سازِ محبت کے ہیں پردے خاموش
دی گئی روزِ ازل آخری آواز مجھے

ہوا اس تجمل سے وہ جلوہ آرا — نگاہیں پکاریں کہ بس کر خدا را
تڑپتا ہے کب سے کوئی غم کا مارا — اِدھر بھی نگاہِ کرم کا اشارا
بڑی کشمکش میں ہے بیمارِ الفت — نہ جینے کی ہمت نہ مرنے کا یارا
اُٹھا ایک طوفان ناکامیوں کا — ذرا آرزو کا لیا تھا سہارا
مرے دل کی اللہ رے! بیقراری — ہتھیلی پہ ہو مضطرب جیسے پارا
مری بیخودی کی مجسم ضمانت — تری مدھ بھری انکھڑیوں کا نظارا
خبر لے! کہ اب منتشر ہو رہی ہے — ترے غم نے جس انجمن کو سنوارا
زمانہ جسے زندگی جانتا ہے — وہ ہے چشمِ فطرت کا مبہم اشارا

مری زندگی کا خلاصہ ہے ماہر
وفا کا سفینہ، محبت کا دھارا

جاں دادگانِ درد کو حیراں بنائیے
چٹکی میں پھول لیجئے پیکاں بنائیے

دیوانگانِ عشق کو پھر آچلا ہے ہوش
پھر اپنے گیسوؤں کو پریشاں بنائیے

کیوں طالبانِ درد سے شرمارہے ہیں آپ
کس نے کہا تھا درد کو درماں بنائیے

اپنی نظر کو صرفِ تماشا نہ کیجئے
میری نگاہ سے مجھے حیراں بنائیے

آنکھوں کو فرشِ راہ بنانے سے فائدہ
ذوقِ نظر کو منزلِ جاناں بنائیے

پھر لیجئے وفائے محبت کا امتحاں
مغرور ہو گیا ہوں پشیماں بنائیے

ہر لفظ داستانِ محبت کا خوب ہے
کس لفظ کو حیات کا عنواں بنائیے

ماہر تصویرِ رخِ رنگیں کے فیض سے
شامِ خزاں کو صبحِ بہاراں بنائیے

جانے کیا ظالم کی نظریں کہہ گئیں
آرزوئیں منہ ہی تکتی رہ گئیں

اُس کی وزدیدہ نگاہیں الاماں!
اک اشارے میں فسانہ کہہ گئیں

اور کیا بادِ بہاری سے ہوا
چند کلیاں مسکرا کر رہ گئیں

اُن تمنّاؤں کی حسرت کچھ نہ پُوچھ!
جو ترے وعدوں کی رو میں بہہ گئیں

گردشیں کچھ تھیں خرامِ ناز کی
جو مری تقدیر بن کر رہ گئیں

اے مہِ خوبی تری پرچھائیاں
پتلیوں کا نور بن کر رہ گئیں

ہائے! وہ کالی گھٹا کی مستیاں
سطحِ مے پر موج بن کر رہ گئیں
حُسن کی سب کافرانہ مستیاں
عشق کا ایمان بن کر رہ گئیں
فتنۂ دوراں کو ماہرؔ کیا کہوں!
بستیاں ویران ہو کر رہ گئیں

تصور میں جو پھولوں کا سماں ہے قفس کی شام صبحِ گلستاں ہے
جگر کا خون آنکھوں سے رواں ہے محبت ایک رنگیں داستاں ہے
مری فریاد دل کی داستاں ہے مرا نالہ محبت کی زباں ہے
تصورِ عیش کا راحت نشاں ہے مگر اتنی مجھے فرصت کہاں ہے
تکلّم ہے کہ موجوں کی روانی تبسّم ہے کہ صُبحِ گلستاں ہے
جوانی اور پھر تیری جوانی ترے صدقے میں اک دنیا جواں ہے
جھکی پڑتی ہیں سجدے میں جبینیں خدا جانے یہ کس کا آستاں ہے
وہ شاخیں جن پہ میرا آشیاں تھا وہاں اب بجلیوں کا آشیاں ہے

بہت سے وہر میں قاتل ادائیں تمھیں سے کیوں زمانہ بدگماں ہے

نہ پوچھو، شامِ تنہائی کا عالم تمھاری یاد بھی دامن کشاں ہے

تری بیداد کا شکوہ نہیں ہے مری فطرت ہی مجبورِ فغاں ہے

خدا وہ دن نہ لائے جو کہوں میں گناہوں میں بھی اب لذت کہاں ہے

ارے اک ساغرِ صہبا کا عالم ابھی میکش کہاں تھا اور کہاں ہے

مرا افسانۂ پُر درد ماہرؔ
بہ عنوانِ حدیثِ دیگراں ہے

یاد جب ایامِ رفتہ کی کہانی آگئی
دیکھتا کیا ہوں کہ ہر شے پہ جوانی آگئی
وہ اُٹھے اور سبزۂ خوابیدہ نے انگڑائی لی
وہ چلے اور آبشاروں میں روانی آگئی
پھر خیالِ عیش ہے چھایا ہوا احساس پر
پھر کوئی شاید بلائے آسمانی آگئی

کشمکش سے زیست کی بہارِ الفت چھٹ گیا
کام آخر دردِ دل کی مہربانی آگئی

بلبلوں نے ساز چھیڑا قمریاں گانے لگیں
دعوتِ تفریح کلیوں کی زبانی آگئی

اُس بتِ خاموش کا اللہ رے! فیضِ سکوت
ماہرِ ناشاد کو جادو بیانی آگئی

حُسن کی خوابیدہ محفل کو جگا دیتا ہوں میں
کس بلندی سے خدا جانے صدا دیتا ہوں میں

دردِ دل کا نام سُن کر مسکرا دیتا ہوں میں
اپنی بربادی کا افسانہ سُنا دیتا ہوں میں

ماسوا کے ہر تصور کو مٹا دیتا ہوں میں
آرزو کو خاک میں خود ہی ملا دیتا ہوں میں

اللہ اللہ! میرے دستِ شوق کی گستاخیاں
اُن کی بزمِ ناز کے پردے اُٹھا دیتا ہوں میں

کیا خبر دُز دیدہ نظروں سے وہ کیا فرما گئے

روز اک اُمید کی محفل سجا دیتا ہوں میں

مبتلائے کشمکش ہے کب سے قلبِ ناتواں

ایک چنگاری کو مدت سے ہوا دیتا ہوں میں

رحم کھاتی ہیں خدائی پر مری مایوسیاں

ولولے اُٹھنے نہیں پاتے دبا دیتا ہوں میں

آج بھی قایم ہوں اپنی وضع پر تیرے لئے

اب بھی تیری راہ میں آنکھیں بچھا دیتا ہوں میں

اس ترے روشن تبسّم کا فسانہ چھیڑ کر

محفلوں میں حُسن کی شمعیں جلا دیتا ہوں میں

جب کبھی ہوتا ہے دل آمادۂ اظہارِ غم

سننے والوں کے کلیجوں کو ہلا دیتا ہوں میں

کیا غرض مجھ کو کسی سے مجھ کو تو مطلوب ہے

راہِ اُلفت سے حرم کو بھی ہٹا دیتا ہوں میں

چاہتا ہوں دیکھنا جب زہد کی محفل کا رنگ
خود کو عصیاں کی بلندی سے گرا دیتا ہوں میں

میرے ذوقِ سرفروشی کو خدا پورا کرے
نام سن کر تیغ کا گردن جھکا دیتا ہوں میں

اب میں اُن کے جور کا شکوہ بھی کر سکتا نہیں
وہ یہ کہتے ہیں تجھے دادِ وفا دیتا ہوں میں

اور کچھ مصرف نہیں ماہرؔ مرے اشعار کا
درد سے لبریز اک نغمہ سنا دیتا ہوں میں

عشق کی زندگی کو کیا کہیے — اپنی قسمت کسی کو کیا کہیے
اُن لبوں کی ہنسی کو کیا کہیے — پھول کی پنکھڑی کو کیا کہیے
اک ذرا سی امید پر یہ حال — آدمی کی خوشی کو کیا کہیے
سامنے اشک ریز ہے شبنم — مسکراتی کلی کو کیا کہیے
پرسشِ حالِ دل ہے ہنس ہنس کر — اُس کی ظالم ہنسی کو کیا کہیے
حُسن پر اعتمادِ چارہ گری — عشق کی سادگی کو کیا کہیے

اُن کی چلمن کو چھُو رہی ہے نگاہ　　جُرأتِ عاشقی کو کیا کہیئے
موجِ بادِ صبا بھی کانپ اُٹھی　　زُلف کی برہمی کو کیا کہیئے
اُن کے رُخ پر نظر نہیں جمتی　　چاند کی روشنی کو کیا کہیئے

وہ پشیماں سے ہو گئے ماؔہر
آپ کی شاعری کو کیا کہیئے

ترے روشن تبسم کا جو افسانہ سنا دیتے
فضائیں جگمگا اُٹھتیں، ستارے مُسکرا دیتے
اگر وہ بھول کر بھی رُخ سے پردے کو اُٹھا دیتے
یہ ذرے خاک کے بھی خون کا دریا بہا دیتے
چمن کے پھُول ہنس ہنس کر صدائے مرحبا دیتے
وہ ایسے میں اگر صُبحِ بہاراں[1] گنگنا دیتے
نظر پردہ، وفا پردہ، محبت سربسر پردہ
ہمارا بس اگر چلتا تو ہر پردہ اُٹھا دیتے

[1] میری نظم کا عنوان

وہ خود آگاہ ہو جاتے کہ وہ کیا ہیں زمانے میں
نظر کو اک گھڑی بھر کے لیئے گویا بنا دیتے

مرے ساقی! اگر تیری نظر حایل نہ ہو جاتی
ترے میخوار، پیمانے صُراحی سے لڑا دیتے

وہیں کعبہ چلا آتا، وہیں جنت اُتر آتی
ترے در کے گدا جس خاک پر بھی سر جھکا دیتے

دلِ مجروح، چشم خونفشاں، اسباب ویرانی
عطا کی کوئی حد بھی ہے مجھے وہ اور کیا دیتے

جسے اُردو زباں کی تنگ دامانی کا شکوہ ہے
ذرا تم اُس کو ماہر کی غزل پڑھ کر سنا دیتے

سچ یہ ہے عیشِ دو عالم کی بھی پروا نہ کریں
وہ جو توہینِ غمِ یار گوارا نہ کریں

دل کی دھڑکن کو بھی اب کام میں لایا نہ کریں
کیا اس انداز سے بھی تم کو پکارا نہ کریں

وہ اگر مست نگاہوں سے اشارا نہ کریں
اُن کے مے خوار کبھی ہوش میں آیا نہ کریں

ہو ہی جائے گی کسی طرح شبِ غم کی سحر
آپ میرے لئے تکلیف گوارا نہ کریں

ابھی امید کو دینا ہے تصور کا فریب
دل کی دُنیا کو ابھی وہ تہ و بالا نہ کریں

اور ہنستے ہیں مرے حالِ پریشاں پہ ہنسیں
آپ کو سب ہے خبر، آپ تو ایسا نہ کریں

نو بہ نو رنگ بدلتی ہے تجلی اُن کی
دیکھنے والے نگاہوں پہ بھروسا نہ کریں

دردِ دل آپ کی آنکھوں سے عیاں ہے ماہرؔ
اس طرح آپ کوئی راز چھپایا نہ کریں

روح پر ایک کیف ہے طاری
مرحبا اے نشاطِ مے خواری

بوالہوس دیکھ! ناسپاس نہ بن
درد کو کہہ رہا ہے بیماری

خونِ حسرت سے کر رہا ہوں میں
دامنِ زندگی پہ گُل کاری

دیکھتا ہوں وہ مہرباں ہیں آج
خواب کہیئے اسے کہ بیداری

رحم اے جبرِ اختیارِ دوست!
مُجھ پہ اور تہمتِ خطا کاری

موت کی آرزو ہے کیوں ماہرؔ
اس قدر زندگی سے بیزاری

موت کیا ہے ابتدائے دردِ دل
غیر فانی ہے فضائے دردِ دل

درد دل دنیا بھی ہے عقبیٰ بھی ہے
کچھ نہیں ہے ماورائے دردِ دل
مجھ سے پوچھو کیا ہے رازِ کائنات
ایک ہنگامہ برائے دردِ دل
غم زدوں کی کون لیتا ہے خبر
کون سنتا ہے صدائے دردِ دل

خاک کے کچھ منتشر ذروں کو انساں کر دیا
اُس نے جس جلوے کو جب چاہا نمایاں کر دیا
اُس نے ہنس کر خود ہی زلفوں کو پریشاں کر دیا
میں یہ سمجھا میں نے قاتل کو پشیماں کر دیا
موسمِ گل میں یہ کیا اے یادِ جاناں کر دیا
میرے چاکِ دل کو پھولوں کا گریباں کر دیا
ناامیدی کے چراغوں کو فروزاں کر دیا
اُس نے دل کی آخری مُشکل کو آساں کر دیا

خاک کے پردے میں انساں بن کے ظاہر ہو گئی
وہ تجلی جس نے آئینوں کو حیراں کر دیا
رُخ پہ زلفیں چھوڑ کر وہ مُسکرائے اس طرح
کفر تو پھر کفر ہے ایماں کو ایماں کر دیا
آہ نکلی تھی کہ دل کی آڑ سے آئی صدا
تُو نے پھر ناداں شکستِ عہد و پیماں کر دیا
اک پیامِ عشق ہے ماہرؔ مری فکرِ سخن
شعر کے پردے میں دردِ دل نمایاں کر دیا

جب کوئی پھول مسکراتا ہے	مجھ کو دل کا خیال آتا ہے
جب ترا نام لب پہ آتا ہے	دِل تو کیا درد مسکراتا ہے
پھر تصور نے دے دیا دھوکا	پھر کوئی سامنے سے آتا ہے
دیر سے سُن رہا ہوں اک آواز	جیسے کوئی مجھے بُلاتا ہے
دِل ناداں! تجھے خدا سمجھے	روز فتنہ نیا اُٹھاتا ہے
پھر طبیعت میں جوش ہے ماہرؔ	پھر کوئی دل کو گدگداتا ہے

فطرتِ پابند کو ہر قید سے آزاد کر
زندگی اُجڑا ہوا گھر ہے اُسے آباد کر

ہم نشیں! میری طرح تو بھی چمن کو بھول جا
جب قفس میں ہے تو پاسِ خاطرِ صیاد کر

میرے ذوقِ حسن نے دیں تجھ کو بزم آرائیاں
یاد کر او فتنہ ساماں! وہ زمانہ یاد کر

پھر وفا کیشی پہ میری دے نیا حکمِ سزا
منتظر ہوں پھر لبِ نازک سے کچھ ارشاد کر

خامشی کو حاصلِ شیون بنا اے ہمنوا!
جا ابھی کچھ اور مشقِ نالہ و فریاد کر

پھر بنا ماہرؔ کو ممنونِ نوازش ہائے خاص
او ستم ایجاد! پھر کوئی ستم ایجاد کر

جلوے سے ترے مفر کہاں ہے
یہ برق ہے اور بے اماں ہے

ہر ذرہ یہاں کا آسماں ہے
دنیا میں ارے سکوں کہاں ہے
ہر چند کہ آہ ناتواں ہے
اس پر بھی حریفِ آسماں ہے
اللہ رے! اگلوں کی تشنہ کامی
کانٹوں پہ رکھی ہوئی زباں ہے
پھر جوش ہوا کا ہے سکون پر
پھر برق کی زد میں آشیاں ہے
وہ رُخ سے نقاب اُٹھا رہے ہیں
چڑھتی ہوئی دھوپ کا سماں ہے
دشمن کو نہ ہو نصیب ماہرؔ
جس موت پہ زیست کا گماں ہے

جب نظر محوِ راز ہوتی ہے ہر حقیقت مجاز ہوتی ہے
غنچۂ ناشگفتہ سے بھی لطیف نرگسِ نیم باز ہوتی ہے

تیرے بیمارِ شامِ فرقت کی　　موت ہی چارہ ساز ہوتی ہے
اُس کو دُنیا سمجھ نہیں سکتی　　جو نگہ، فتنہ ساز ہوتی ہے
اُن کی معصومیّت کا کیا کہنا!　　ہر ادا پاک باز ہوتی ہے
سختیٔ نزع کے بہانے سے　　سعیِ افشائے راز ہوتی ہے

اُن کو ماؔہر خبر نہیں شاید
عاشقیِ حُسن ساز ہوتی ہے

پرستارِ محبت کو خیالِ ماسوا کیوں ہو
خوشی بھی تیرے ملنے کی شریکِ مدعا کیوں ہو
تری پہلی نظر کی حشر سامانی مُسلّم ہے
مگر دل کے فسانہ کی یہیں سے ابتدا کیوں ہو
فضائیں گونجتی ہیں سیکڑوں غمناک آوازیں
جسے تو سُن رہا ہے میرے دل کی ہی صدا کیوں ہو
ترے جلووں کی حیرت آفرینی اے معاذاللہ!
نگاہوں نے جو دیکھا ہے زبانوں سے ادا کیوں ہو

جو تیرے التفاتِ خاص کی عادت سے واقف ہے
اُسے بے وجہ تیری کم نگاہی کا گلہ کیوں ہو
جسے اک اک قدم پر فکرِ مستقبل ستاتی ہے
وہ دیوانہ ہوس کا تیرے غم میں مبتلا کیوں ہو
محبّت رُوح بن کر سارے عالم میں سمائی ہے
تو پھر دُنیا کا ماہر ایک ذرہ بھی فنا کیوں ہو

اے کیفِ سجدہ ریزی کیا مجُھ کو ہو گیا ہے
ذروں سے پوچھتا ہوں یہ کس کا نقشِ پا ہے
دُنیا میں آدمی کی تخلیق اور کیا ہے
اک شعلۂ محبت سانچے میں ڈھل گیا ہے
بدمست ہو رہی ہے کیفیتِ تبسم
تم نے چمن میں شاید کلیوں کو چھو لیا ہے
اک اک قدم پہ ٹھوکر ہر بات میں تغافل
انسان لغزشوں کا پتلا نہیں تو کیا ہے

ہر منظرِ جہاں کو پُوجا کریں گی نظریں
جب تم نے امتیازِ جلوہ اُٹھا دیا ہے
آسودگانِ ساحل! ماؔہر کی بھی خبر ہے!
گرداب میں ہے کشتی طوفان بڑھ رہا ہے

پردہ اُٹھ جائے اگر عشق کی زیبائی کا
حُسن پھر نام نہ لے انجمن آرائی کا
طُور پر برقِ تجلّی کی کرم فرمائی
ایک غمزہ تھا تری شانِ خود آرائی کا
پتے پتے سے نمودار ہے شانِ وحدت
ذرے ذرے کو یقیں ہے تری یکتائی کا
عشق مٹتی ہوئی تصویر تری فطرت کی
حُسن دھویا ہوا خاکہ تری رعنائی کا
سر ہو اور سنگِ درِ ختمِ رُسل ہو ماؔہر
پھر تو ارمان نکل جائے جبیں سائی کا

ترا اک تبسمِ ناز ہے کہ تجلیّوں کا وفور ہے
مری ہر نظر کا مشاہدہ جو شریکِ عالمِ نور ہے

میں اُٹھاؤں منّتیں غیر کی یہ توقعات سے دُور ہے
تجھے غالباً یہ خبر نہیں تری آرزو بھی غیور ہے

ہیں نظر کے حوصلے مختلف ہیں اصولِ قرب جدا جدا
کہیں آرزو، کہیں خود طلب کہیں عرش ہے کہیں طور ہے

ترے جبرِ حُسن نے چھین لیں مرے اختیار کی قوتیں
مری بے خودی کا گلہ نہ کر مرا اس میں کوئی قصور ہے

ہجر میں بیمار غم سہنے کے قابل ہو گیا
مُدعائے شوق بے تابی سے حاصل ہو گیا

درد کو بھی درد کا احساس حاصل ہو گیا
مژدہ اے قاتل کہ پھر پیدا نیا دل ہو گیا

جب کھلیں آنکھیں تو دیکھا وہ سرِ بالیں نہ تھے
ہوش آنا تھا کہ پھر بیمار غافل ہو گیا

اس زبوں حالت پہ بھی جوشِ محبت کم نہیں

وہ تو قاتل تھے ہی میرا دل بھی قاتل ہو گیا

حشر ہو جاتا بپا اُن کے غرورِ حسن سے

وہ تو یہ کہیئے کہ آئینہ مقابل ہو گیا

میں نے جب کہا طوفانِ غم میں "یا خدا"

موج کشتی بن گئی، گرداب ساحل ہو گیا

ذوقِ جفا نے درد کو درماں بنا دیا

ہر نشترِ نظر کو رگِ جاں بنا دیا

تیرِ نگاہِ یار کے قربان جائیے

دل کے لہو کو زینتِ داماں بنا دیا

ذروں میں رُوح پھونک دی احساسِ عشق کی

اک مُشتِ خاک تھی جسے انساں بنا دیا

ہنگامہ آفریں ہے ترا حُسنِ بے پناہ

ہر منظرِ جہاں کو پریشاں بنا دیا

بیمارِ غم نے آخری ہچکی کو موت کی
روداد انتظار کا عنواں بنا دیا
تیرے حریمِ حسن کا نظارہ الاماں!
میرے مشاہدات کو حیراں بنا دیا
ماہرؔ مجھے تو دولتِ کونین مل گئی
شکرِ خدا کہ مجھ کو مسلماں بنا دیا

فرصتِ آگہی بھی دی لذتِ بیخودی بھی دی
موت کے ساتھ ساتھ ہی آپ نے زندگی بھی دی
سوزِ دروں عطا کیا، جرأتِ عاشقی بھی دی
اُن کی نگاہِ ناز نے غم ہی نہیں خوشی بھی دی
اس نے نیاز و ناز کے سارے ورق الٹ دیے
دستِ خلیلؑ بھی دیا، صنعتِ آذری بھی دی
پھر بھی مری نگاہ میں دونوں جہاں سیاہ تھے
میری شبِ فراق کو چاند نے روشنی بھی دی

آپ نے اک نگاہ میں سب کو نہال کر دیا

پھول کی مسکراہٹیں، موج کو بے کلی بھی دی

چھین لو مجھ سے دوستو! طاقتِ عرضِ مُدعا

اس نے مزاجِ یار کو دعوتِ برہمی بھی دی

دامِ تعنیات میں دیدہ و دل اُلجھ گئے

سوزِ یقین کے ساتھ ساتھ لذّتِ کافری بھی دی

ماہرِ دلفگار پر آپ کی یہ نوازشیں

فطرتِ عاشقی بھی دی، دولتِ شاعری بھی دی

اللہ رے! حوصلہ نگہِ بیقرار کا

نظارہ اور جنبشِ مژگانِ یار کا

شکوہ نصیب کا نہ گلہ حُسنِ یار کا

سارا قصور ہے دلِ بے اختیار کا

رتبہ تو دیکھیے نگہِ شرمسار کا

رُخ ہے اُدھر ہی رحمتِ پروردگار کا

اے جبرِ دوست! رحم کر اب تابِ غم نہیں
ہوتا ہے راز فاش مرے اختیار کا

رعنائیِ جہاں کی حقیقت ہے اس قدر
دھندلا سا ایک عکس ہے رخسارِ یار کا

ماہر ہے بزمِ دہر پریشانیوں کا گھر
شکوہ فضول ہے ستمِ روزگار کا

میں یہ نہیں کہتا کہ محبت ہی خدا ہے
کونین کی ہر چیز محبت کی عطا ہے

محشر میں وہ ظالم کی پشیمان نگاہیں
کہنا ہی پڑا مجھ کو کہ میری ہی خطا ہے

جلوے بھی ہیں محتاج مرے ذوقِ نظر کے
جو کچھ ہے مری آنکھ ہے نظارے میں کیا ہے

اب ہوش نگاہوں کا نہ دیدار کا احساس
فریاد کے جلووں نے ترے لوٹ لیا ہے

جب بھیس میں آئے ہیں وہ سورج کی کرن کے
ہر خاک کے ذرہ کا جگر چیر دیا ہے
قربت کا یہ عالم ہے کہ شہ رگ سے بھی نزدیک
دوری کی یہ حد ہے کہ تصور بھی خطا ہے

بیمارِ شبِ غم کی اللہ رے! توانائی
اک ہُوک اُٹھی دل سے اور عرش کو چھو آئی
کچھ تجھ کو خبر بھی ہے او محوِ خود آرائی
آنکھیں ہی نہیں تنہا دل بھی ہے تماشائی
ہر چیز محبت میں بے تاب نظر آئی
تتلی بھی ہے آوارہ، شبنم بھی ہے ہرجائی
جب اُٹھ بھی نہ سکا اُس سے جورِ غمِ تنہائی
جو پھول کے سینہ سے گھبرا کر نکل آئی
اس عشق و محبت کے دستور کو کیا کہیئے
جینا بھی ہے رسوائی، مرنا بھی ہے رسوائی

کیا ظلم ہے یہ دُنیا قاتل اُسے کہتی ہے
جو موت کے پردے میں کرتا ہے مسیحائی

ڈوبی ہوئی نبضیں کیوں اُبھری چلی آتی ہیں
اک بھولنے والے کو شاید مری یاد آئی

ساقی کی نگاہوں کا انداز ارے توبہ!
مے جام میں لیتی ہے انگڑائی پہ انگڑائی

ماہر مجھے مطلب کیا احساسِ مسرت سے
آنے کو مرے لب پر سو بار ہنسی آئی

زیست آزار ہوئی جاتی ہے
سانس تلوار ہوئی جاتی ہے

مست آنکھوں سے پلانے والے!
روح سرشار ہوئی جاتی ہے

اُن کی رفتار کا عالم توبہ!
موت بیدار ہوئی جاتی ہے

حسن میداں میں خود آ پہنچا
عشق کی ہار ہوئی جاتی ہے

بحرِ الفت میں ہماری کشتی
ڈوب کر پار ہوئی جاتی ہے

زندگی عشق کی رو میں ماہر
تیز رفتار ہوئی جاتی ہے

وہ نظر اُٹھی جھجک کر رہ گئی
پھانس سی دل میں کھٹک کر رہ گئی

میری جانب بڑھتے بڑھتے رُک گئے
پھول کی ڈالی لچک کر رہ گئی

مُسکرا کر اُس نے پوچھا حالِ دل
بوند آنسو کی ڈھلک کر رہ گئی

کون دیتا ساتھ غم کی رات کا
شمع بھی آخر بھڑک کر رہ گئی

زندگی پر بار تھا احساسِ مرگ
زندگی دامن جھٹک کر رہ گئی

حُسن کی راہوں کے پیچ و خم نہ پوچھ
خود محبت بھی بھٹک کر رہ گئی

کتنی کیف آور تھی ساغر کی کھنک
آنکھ ساقی کی جھپک کر رہ گئی

کیا کہوں ماہرؔ فسانہ دید کا
ایک بجلی سی چمک کر رہ گئی

در بحرِ دہرِ فانی یابی نہ جز سرابے
ہستی ہمہ حکایت عالم تمام خوابے
چشمم بہ دید شاداں آں شوخ بے حجابے
شبنم بہ زعم ہستی پیچد بہ آفتابے
آں غمزۂ نوازش ایں شوخیٔ عتابے
پیدائے تلاطم، نابودنِ حبابے

آں ماہ وش بہ ہر دم یک انجمن سراپا
رفتار موجِ صہبا، گفتارِ اُو ربابے

با کُشتگانِ وصل و ہجرت دمے نہ سازد
جنّت بہ ایں مسرت، دوزخ بہ ایں عذابے

خلوت گہ تصور دارد عجیب عالم
در ہر نفس پیامے، در ہر نظر خطابے

در دیدہ اشک دارم او مائل تبسم
من می کنم سوالے اُو می دہد جوابے

در نازکی و شوخی آن یار شاخِ طُوبیٰ
لبہا تمام شکر، عارض ہمہ گلابے

ماہر ز صد حیاتِ دُنیا و دیں فزوں تر
یک لحظہ بے قراری، یک لمحہ اضطرابے

بکھرے ہوئے پھول

(میٹھے بول)

پہلی نظر تھی دل کا مول — اب آنسو کے موتی رول
شاید وہ پھر آ جائیں — کہتے ہیں دھرتی ہے گول
آنکھیں کچھ گھبرائی سی — دل کی حالت ڈانوا ڈول
عشق کی نا قدری مت پوچھ — سونا بھی مٹی کے مول
دنیا کیا امیدیں کیا! — پیتل پر چاندی کا جھول
سورج سر پر آ پہنچا — سونے والے! آنکھیں کھول
بادل، ٹھنڈک، ہریالی — اور اس پہ کویل کے بول
ظلم کا بدلہ پیارے دے — کنکر لے کر ہیرے تول

ماہر ان کا کیا کہنا
اچھی صورت میٹھے بول

گیت

من کی باتیں بول، پپیہے! من کی باتیں بول

ڈوب گئے آکاش کے تارے
نیند سے جاگے پنچھی سارے
پھوٹ بہے کرنوں کے دھارے
اک ہم ہیں برہا کے مارے
دل ہے ڈانواں ڈول
پپیہے! من کی باتیں بول

برکھا رُت کا روپ نرالا
اُجلی پھواریں بادل کالا
بجلی کا کوندا مت والا
ٹوٹ گئی بوندوں کی مالا
تو بھی موتی رول
پپیہے! من کی باتیں بول
مست گھٹا کی دیکھی چھل بل
دھرتی ہے پانی کی چھاگل
کھلتی کلیاں، اُٹھتی کونپل
کتنی سُندر، کتنی کومل
اب تو آنکھیں کھول
پپیہے! من کی باتیں بول

قطعات

امید کا گھر اُجڑ نہ جائے
وہ مجھ سے کہیں بچھڑ نہ جائے
یہ دل ہے مرا بہت ہی نازک
آئینہ میں بال پڑ نہ جائے

اک حشر اُٹھائے جا رہے ہیں
بھونرے ہیں کہ گیت گا رہے ہیں
شاداب گلوں کی آڑ لے کر
وہ ناز سے مسکرا رہے ہیں

ٹوٹا جو طلسم خانقاہی
باقی نہ رہی وہ کم نگاہی
دُنیا کا بدل رہا ہے نقشہ
دم توڑ رہی ہے بادشاہی

ہر یاس میں ایک آس بھی ہے
وہ دور نہیں ہے پاس بھی ہے
تو صبر کا جام نوشِ جان کر
تلخی ہی نہیں مٹھاس بھی ہے

جینا ہے تو ارجمند بن جا
تو پست نہ رہ بلند بن جا
میں بام فلک پہ ہاتھ رکھ دوں
اے قوسِ قزح! کمند بن جا

ختم

ہماری مطبوعات

نغمات ماہر - شاعرِ حیات ماہر القادری کا تازہ مجموعہ کلام
جوانی کی مسکراہٹیں، دوشیزگی کی انگڑائیاں، حسن کے سدا بہار پھول، قوم و ملت
کا دھڑکتا ہوا دِل، آزادی کی مضطرب روح، زندگی کی تفسیر، پاکیزہ زبان، بلند افکار
اچھوتا تخیل، عدیم النظیر اندازِ بیان، اور وہ سب کچھ جسے شعر و ادب کی روح کہہ سکتے ہیں
قیمت .... دو روپیہ بارہ آنے

رنگ محل ساغر نظامی کی رومانی نظموں اور غزلوں کا نیا مجموعہ شعر و حکمت کا موثر
امتزاج، رومانیت و واقعیت کا دلنواز مرکب، انسانی ذہن و روح کے لیے فکر و نشاط کا جدید
پیمانہ نئے سماجی تصورات کی مؤثر نمائندگی اور حیات و اسرار حیات کے متعلق نئی نسل کو
اک جدید اشارہ اور جس میں ساغر کا حکیمانہ و شاعرانہ جوہر کامل طور پر نمایاں ہوا ہے۔ قیمت دو روپیہ آٹھ آنے

لہو ترنگ از سکندر علی وجد بی۔ اے (عثمانیہ) جامعۂ عثمانیہ کے قابل فخر سپوت کا
پہلا مجموعہ کلام۔ (زیر طبع)

سُرخ سویرا - از مخدوم محی الدین ایم۔ اے۔ (عثمانیہ) حیدرآباد دکن کے مایۂ ناز
شاعر کا پہلا مجموعہ کلام۔ (زیر طبع)

(ہماری فہرست کتب طلب فرمائیے)